احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اکتوبر 2024ء

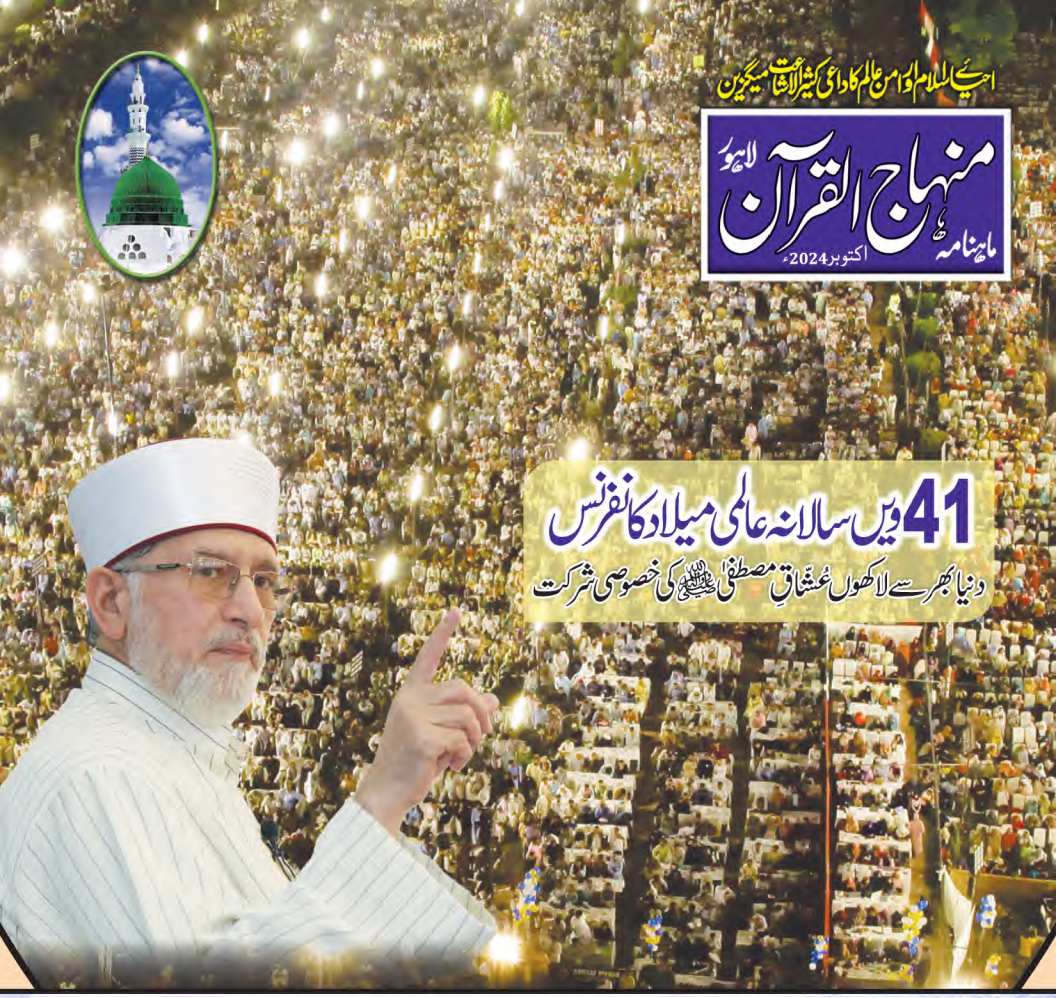

41ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس

دنیا بھر سے لاکھوں عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کی خصوصی شرکت

تحریک منہاج القرآن کا 44واں یومِ تاسیس

پیغمبرانہ اسلوبِ دعوت و فکر کی عالمگیر تحریک

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیر اہتمام 41ویں عالمی میلاد کانفرنس 2024ء

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 38 / ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ / اکتوبر 2024ء
شمارہ: 10

چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اُپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈا پور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبد القیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: آئین کی قرآن وسنت کی روشنی میں اہمیت	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: حجیت حدیث وسنت کا انکار۔ دین کے چار حصوں کا انکار ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	6
آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبد القیوم خان ہزاروی	14
حبِّ رسول ﷺ کی ضرورت اور عملی تقاضے	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ	19
شریعت سے طریقت تک کا سفر	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	29
تصوف اور تعلیماتِ حضور سیدنا غوث الاعظمؓ	ڈاکٹر پروفیسر حسین محی الدین قادری	37
تحریک منہاج القرآن کا 44واں یوم تاسیس	شیخ الاسلام کی خصوصی گفتگو	49
MQI کے زیرِ اہتمام 41ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس	رپورٹ: محمد یوسف منہاجین	57
شیخ الاسلام کا دورۂ ساؤتھ کوریا اور جاپان	رپورٹ	73

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبد السلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | حکامی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے | سالانہ خریداری: 700 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس وسالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمدِ باری تعالیٰ

الٰہی! شاد ہوں میں تیرے آگے ہاتھ پھیلا کر
مری اس کیفیت کو اپنی رحمت سے پذیرا کر

بھٹکتی آنکھ کو مرکوز فرما صبغۃ اللّٰہ پر
دل بے تاب کو خوشبوئے یاسیں سے شکیبا کر

مری بھیگی ہوئی پلکیں مخاطب ہیں تو بس تجھ سے
مری تقدیر کے تاریک غاروں میں اجالا کر

مرے چاروں طرف ہے رقصِ وحشت، روک دے اس کو
مرے اندر جو دشمن بڑھ رہا ہے، اس کو پسپا کر

رسول پاکؐ کے رستے سے ہٹ کر خوار ہے امت
امین اس کو فلاح و خیر کا پھر سے خدایا کر

فروغ اقدارِ پیغمبر کا ہو پھر سے زمانے میں
پریشان آدمیت پر کرم کا باب پھر وا کر

دعائے سیدِ سادات سینے میں فروزاں ہے
حسین کر دے مری دنیا حسین تر میری عقبا کر

تیرے محبوب کی توصیف میں لب کھولتا ہوں میں
بہاراں آشنا یارب! مری سوچوں کا صحرا کر

زوال آمادہ ہیں ہر چند اعصاب و قویٰ پھر بھی
جواں رکھ میرے جذبوں کو، مرے لفظوں کو اُجلا کر

﴿حفیظ تائبؔ﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ہر سمت دیکھتا ہوں میں انوارِ مصطفیٰؐ
ہے ساری کائنات چمن زارِ مصطفیٰؐ

قرآن میں ہیں اُنؐ کے محاسن لکھے ہوئے
لاریب بے مثال ہے کردارِ مصطفیٰؐ

صحرائے زندگی کی فضائے بسیط پر
سایہ کرے گا سایۂ دیوارِ مصطفیٰؐ

اُنؐ کے کرم کا ابرِ مسلسل رہا ہے ساتھ
طیبہ میں دیکھ آیا ہوں دربارِ مصطفیٰؐ

آنکھیں غبارِ شہرِ نبیؐ میں ہیں منتظر
دیدارِ مصطفیٰ کبھی دیدارِ مصطفیٰؐ

مکتب میں روشنی ہے اُنہیؐ کے وجود سے
ہر علم کی اساس ہیں اقدارِ مصطفیٰؐ

اسریٰ کی شب یہ راز کھلا آسمان پر
ازبر ہے کائنات کو اخبارِ مصطفیٰؐ

رہتا ہے اشکبار ہمیشہ پسِ ورق
یا رب! مرے قلم کو بھی دستارِ مصطفیٰؐ

مقروض بن کے رہتے ہیں ارض و سما ریاضؔ
کیا دلربا ہے گرمیٔ بازارِ مصطفیٰؐ

﴿ریاض حسین چودھریؔ﴾

اداریہ

آئین کی قرآن وسنت کی روشنی میں اہمیت

میثاقِ مدینہ کو ریاستِ مدینہ کا پہلا دستور ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ یہ دستور حضور نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ کے اکناف واطراف میں مختلف المذاہب قبائل کے ساتھ مل کر تیار کیا گیا۔ مسلموں اور غیر مسلموں کے مابین یہ دستور باہمی تعلقات اور رہن سہن کی ایک ایسی دستاویز تھی جو حدود و قیود اور حقوق و فرائض کا تعین کرتی تھی۔ پیغمبر اسلام کو اللہ رب العزت نے دین اسلام کی صورت میں جو نظامِ حیات عطا فرمایا تھا وہ اول تا آخر اصول و ضوابط کا پابند ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے فوری بعد میثاقِ مدینہ کے ذریعے کرۂ ارض کی پہلی انسانی فلاحی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ آج دنیا کا کوئی ملک اور معاشرہ دستور کے بغیر اپنی نظریاتی، جغرافیائی حدود کا تعین اور تحفظ نہیں کر سکتا۔ جب کسی ملک کا دستور کاغذ کا ٹکڑا بنتا ہے تو وہ ملک اور معاشرے بھی کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔

آئین اور دستور کی اہمیت پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دو جلدوں پر مشتمل اپنے شہرۂ آفاق ''مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ'' میں آئین کی قرآن و حدیث کی روشنی میں جو اہمیت بیان کی ہے، اُسے سیاسی، قانونی حلقوں کو بطور خاص پڑھنا چاہیے۔ دستور فقط سماج کی سیاسی ضرورت ہی نہیں بلکہ بحیثیت مسلمان اس کی پابندی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ذیل میں آتی ہے۔ زندگی

انفرادی ہو یا اجتماعی، نظم کے لئے ضابطے، قانون اور آئین کی محتاج ہے۔ انسان نے روزِ اول سے جوں جوں تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کیا، اُس کی زندگی میں قوانین و ضوابط کا عمل دخل بھی بڑھتا گیا۔ اجتماعی سطح پر معاشرے کو منظم کرنے کے لئے کبھی تو طاقت کا سہارا لیا گیا اور کبھی معاشرے کو قوانین و ضوابط کے بندھن میں باندھنے کی کوششیں ہوئیں۔ ایتھنز اور سپارٹا کی قدیم ریاستیں ہمارے سامنے یہی منظر پیش کرتی ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں یہ اعزاز اسلام کو حاصل ہے کہ اُس نے شعورِ انسان کو ایک واضح دستور کے تصور سے آشنا کیا کہ ریاست کو ایک ایسے دستور و آئین کے تحت چلایا جائے جو نہ صرف ریاست کے تمام اعضائے ترکیبی کے افعال و وظائف کی تشریح کرے بلکہ ریاست کے جملہ طبقات کے حقوق و فرائض کا تحفظ و تعین کرے۔

قرآن کریم کی بہت سی ایسی آیات ہیں جو دستوری و آئینی راہ نمائی کی حامل ہیں۔ ان آیات میں سیاسی نظام کو اسلامی بنیادوں پر اُستوار کرنے کے لئے کلیدی ہدایات اور احکام بیان کئے گئے ہیں:

ارشادِ ربانی ہے: ”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبانِ امر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اُسے (حتمی فیصلے کے لئے) اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے“۔ سورہ النساء کی ان آیاتِ مبارکہ کے اندر 5 اصول بیان کئے گئے ہیں:

(1) اقتدار کی امانت اہل اور صادق لوگوں کے سپرد کرو

(2) عدل و انصاف کا شفاف نظام قائم کرو

(3) قرآن مجید سپریم دستور ہے جو فیصلہ بھی کرنا ہے اس سے باہر مت جاؤ

(4) اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی کرو۔

(5) صاحبانِ اَمر کی پیروی کرو۔

یعنی جب دیانت دار صاحبان اَمر منتخب کر لیں تو پھر اُن کے احکامات پر عمل کریں۔ یہاں میرٹ کے نظام پر زور دیا گیا ہے اور ہم نے دیکھا جہاں میرٹ کے برخلاف تقرریاں عمل میں آتی ہیں، وہاں لاتعداد انتظامی عوارض بھی جنم لیتے ہیں اور پوری سوسائٹی ہل کر رہ جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ایک مثالی معاشرہ کی چند خوبیاں بیان فرمائی ہیں: پہلی خوبی نرم دلی، رحم دلی ہے یعنی قوانین کا اطلاق احساس ذمہ داری کے ساتھ کیا جائے اور اُس پر عملدرآمد کے حوالے سے عوامی شعور اجاگر کیا جائے۔ لوگوں کو

باور کروایا جائے کہ یہ قوانین ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں بہترین ہے یعنی قوانین و ضوابط کا اطلاق فقط خوف، تشدد اور ظلم سے نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ رب العزت نے سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا: ’’ (اے حبیب والا صفات) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے سو آپ ان سے در گزر فرمایا کریں اور اُن کے لئے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے‘‘۔ یہاں 4 اہم دستوری نکات بیان کئے گئے ہیں:

(1) نرمی و در گزر (2) وسیع تر مشاورت (3) فیصلہ کرنے کے بعد ثابت قدمی (4) اللہ پر توکل

یعنی ایک مسلمان حکمران ہر حال میں اللہ رب العزت کی خوشنودی کے لئے اقدامات اٹھاتا اور امور مملکت چلاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے والیٔ ریاستِ مدینہ کی حیثیت سے ان راہ نما اصولوں پر عمل پیرا ہو کر دکھایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس میں امر اور نہی کا بیان نہ آیا ہو تو آپ اس میں ہمیں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم فقہا اور عابدین سے مشورہ کیا کرو اور اس میں چند خاص لوگوں کی رائے نہ نافذ کیا کرو۔ یہ حدیث رسول ﷺ اجتہاد سے متعلق ہے اور اجتہاد کا فی زمانہ مؤثر اور متعلقہ پلیٹ فارم پارلیمنٹ ہے۔ پارلیمنٹ اجتہادی تقاضے اُسی صورت پورے کر سکے گی، جب اسلام کے پہلے تقاضے کہ دیانت دار لوگوں کو اور اہل لوگوں کو اپنی امانتیں سپرد کریں کا تقاضا پورا ہو گا۔

پس مذکورہ آیات قرآنیہ اور حدیث نبوی ﷺ سے یہ دستوری و آئینی اصول مترشح ہوتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے، قرآن و سنت اعلیٰ ترین قانون، عدلیہ کی بالادستی ناگزیر، آئینی نظام کا یقینی نفاذ، قانون کی حکمرانی و بالادستی، آئینی و سیاسی عہدوں پر اہل افراد کی تعیناتی، سربراہ مملکت کا باوقار مسلمان ہونا، حق رائے دہی جنسی امتیاز سے ماورا، اختلاف رائے کو بنیادی حق تسلیم کرنا، اکثریتی رائے کا احترام، وسیع تر مشاورت، مذہبی آزادی کی ضمانت، سیاسی آزادی کی ضمانت، بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت اور حکومتی اختیارات کی جواب دہی ریاست کے آئینی نظام کا حصہ ہو گی۔

(چیف ایڈیٹر: ماہنامہ منہاج القرآن)

حجیتِ حدیث وسنت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

حصہ 7

ترتیب وتدوین: محمد یوسف منہاجین

قرآن وسنت کی روشنی میں عقائدِ صحیحہ کے موضوع پر اس سلسلہ وار تحریر میں اس بات کو واضح کیا جارہا ہے کہ کیا عقیدے کے باب میں یہ کہنا درست ہے کہ ”صرف قرآن کافی ہے، ہم صرف قرآن ہی کو حجت مانتے ہیں، سنت اور حدیث رسول یا کوئی اور ذریعہ ہمارے لیے حجت نہیں، حدیث و سنت کی حیثیت تاریخ کی ہے، یہ ایک اچھی رہنمائی ہے مگر حجت اور اتھارٹی صرف قرآن ہے۔“ یاد رکھیں! ایسا کہنا نہ صرف گمراہی ہے بلکہ کفر ہے اور یہ قرآن مجید کی سیکڑوں آیات کا انکار ہے۔ قرآن مجید کی تقریباً ڈیڑھ سو آیاتِ کریمہ سے حضور علیہ السلام کی اطاعت، اتباع، سنت، حدیث اور اسوۂ مبارکہ کا حجت واتھارٹی ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بہت سی آیات اور بھی ہیں جو مختلف انداز میں اسی مضمون کو واضح کرتی ہیں۔ گویا ایسا کہنا کہ ”صرف قرآن ہی حجت ہے اور کوئی شے حجت نہیں“، یہ قرآن کے حجت ہونے کا بھی انکار کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اطاعت اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ جس طرح ایمان باللہ اور ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرق نہیں کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اللہ کی اطاعت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں فرق نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی ذات گرامی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو ایمان سے بھی بڑا احسان قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ اس احسان کے ذریعے ہم ایمان کے احسان تک پہنچے اور یہی احسان

(خطاب نمبر: Ci-29) (12 دسمبر 2013ء) (مقام: کینیڈا)

دوسرے احسان کا ذریعہ اور وسیلہ بنا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ، آپ ﷺ کے فرامین و ارشادات اور آپ ﷺ کے اعمال و افعال کے حجت ہونے کے بارے میں ہم متعدد آیات کا مطالعہ اس مضمون کے سابقہ حصوں میں کر چکے ہیں، اسی تناظر میں ذیل میں مزید آیات مبارکہ اور اُن کی تفسیر و تشریح بیان کی جاتی ہے:

وسیلۂ ایمان کی حجیت تسلیم نہ کرنا قرآن کا بھی انکار ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ (ابراہیم، ۱۴: ۱)

’’الف لام را (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)، یہ (عظیم) کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کے) نور کی جانب لے آئیں (مزید یہ کہ) ان کے رب کے حکم سے اس کی راہ کی طرف (لائیں) جو غلبہ والا سب خوبیوں والا ہے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے کفر کی تاریکیوں سے نکل کر ایمان کے نور کی طرف آنے کو حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا کہ لوگوں کو دولتِ ایمان آپ ﷺ ہی کے ذریعے میسر آتی ہے۔ جن کے وسیلہ سے دولتِ ایمان میسر آ رہی ہے، اگر اُن کے ہی ارشادات و فرامین اور سنت کو حجت تسلیم نہ کیا جائے تو کفر اور ظلمات سے نکل کر ایمان اور روشنی کس طرح میسر آسکتی ہے۔۔۔؟ صرف قرآن مجید ہی کو حجت قرار دینے والے قرآن مجید کے اس فرمان کے حوالے سے کیا کہیں گے کہ قرآن مجید تو واضح اعلان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث ہی اس لیے کیا کہ آپ ﷺ لوگوں کو ایمان کی دولت سے ہمکنار کریں اور لازمی بات ہے کہ لوگ دولتِ ایمان سے اسی وقت بہرہ یاب ہوں گے جب وہ آپ ﷺ کی حدیث و سنت کو نہ صرف مانیں گے بلکہ ان کی حجیت تسلیم کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا بھی ہوں گے۔

ایمان بالرسول ہی ایمان باللہ ہے

قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عقائد اور ان کے خیالات و نظریات کو رد فرمایا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے صرف حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کی بات کی ہے یعنی اس جگہ پر ایمان

باللہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف ایمان بالرسول کا ذکر کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کو ہی اپنی ذات پر ایمان لانا قرار دے دیا کہ ایمان بالرسول ہی ایمان باللہ ہے۔

جنّات کا ایک گروہ آقا علیہ السلام کے پاس آیا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید سنا اور ایمان لے آئے۔ وہ گروہ واپس اپنی قوم کی طرف انہیں اسلام کی دعوت دینے اور آخرت کے عذاب کا ڈر سنانے کے لیے گیا۔ انھوں نے اپنی قوم کو جا کر جس طرح ایمان کی دعوت دی، قرآن مجید ان کی بات کو بیان کر رہا ہے:

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (الاحقاف، ۴۶: ۳۱)

”اے ہماری قوم! تم اللہ کی طرف بلانے والے (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ) کی بات قبول کر لو اور ان پر ایمان لے آؤ (تو) اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔“

یہ بیان یوں بھی ہو سکتا تھا کہ: اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ کہ تم اللہ کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک کہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ مگر ایسا نہیں کہا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ہی حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ یہ آیتِ کریمہ بھی حجیتِ حدیث کے منکرین کے خلاف ایک قرآنی دلیل ہے کہ قرآن مجید کہہ رہا ہے جو تمہیں دعوت دے رہے ہیں، ان ہی پر ایمان لے آؤ، بس یہ کافی ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جب ان پر ایمان لے آئے تو جو کچھ اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے، اس سب پر ایمان لے آؤ گے اور جب تم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تو یہ خود بخود اللہ پر ایمان قرار پا جائے گا۔ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دعوت ہی تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دے رہے ہیں۔

کیا دعوتِ رسول صرف تلاوتِ قرآن تک محدود تھی؟

یاد رکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت صرف قرآن مجید تک محدود نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت، حدیث، دعوت، تبلیغ، تعلیم سب شامل ہے، یہ ایک مکمل پیکج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیے ہوئے سارے پیکج پر ایمان لانا ہے۔ آقا علیہ السلام کی 23 سال پر محیط دعوتِ اسلام صرف قرآن مجید کی تلاوت تک محدود نہ تھی۔ کیا آقا علیہ السلام کعبہ معظمہ کے صحن میں، مکہ کی گلیوں میں، طائف کے بازاروں میں، وفود سے ملاقاتوں میں، میدانِ جنگ میں، سفر و حضر میں اور مسجد نبوی کے منبر پر کفار و مشرکینِ مکہ یا یہود و نصاریٰ یا اہلِ مدینہ کو خطاب کرتے

اور دعوت دیتے، یا اہل و عیال کے ساتھ گفتگو کرتے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف قرآن مجید کی آیات تلاوت کرتے تھے، یا اُس کے علاوہ بھی کچھ فرماتے تھے؟

لازمی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت و تربیت اور تعلیم و تدریس کے وقت صرف آیاتِ قرآنی کی تلاوت نہیں کرتے تھے بلکہ ان آیات کی تشریح بھی کرتے اور ان کے معانی و مفاہیم بھی بیان کرتے۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے الفاظ میں لوگوں کو دوزخ سے ڈراتے اور جنت کی طرف بلاتے۔۔۔ احکام کا اطلاق کرتے اور لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے۔۔۔ یہ سارا کچھ جو بھی بیان ہوتا یہ آیاتِ قرآنی نہیں بلکہ یہ حدیث اور سنت ہے۔ قرآن مجید تو فقط اُن الفاظ پر مشتمل ہوتا جو بذریعہ وحی جبرائیل امین آیات کی شکل میں لے کر اترتے اور ایک لفظ اور آیت میں فرق کیے بغیر آقا علیہ السلام من و عن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیان فرمادیتے۔ اس کے علاوہ باقی جو کچھ آقا علیہ السلام بیان فرماتے، تعلیم دیتے، تبلیغ کرتے، وعظ و نصیحت کرتے، تشریحات فرماتے اور جو بھی عمل کر کے دکھاتے، وہ سب سنت اور حدیث ہے۔ گویا دینِ اسلام کی صورت میں موجود پیکج دو چیزوں کا مجموعہ ہے:

۱۔ قرآن مجید ۲۔ سنت نبوی

مذکورہ آیتِ کریمہ (الاحقاف: ۳۱) میں دعوت دینے والے کی دعوت کے مکمل پیکج کو تسلیم کرنے کا کہا جارہا ہے اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر لبیک کہنا ہے تو آقا علیہ السلام کے پورے پیکج کو لبیک کہنا ہے۔ ایسا نہیں کہ اس میں سے صرف آیاتِ قرآنی منتخب کرلیں اور باقی چھوڑ دیں اور کہیں کہ یہ حجت نہیں ہے۔ ایسا کرنا مسلمانی نہیں بلکہ گمراہی اور کفر ہے۔ جو بدقسمتی سے قرآن، اسلام اور علم کے نام پر پھیلائی جارہی ہے۔ پس اگر یہ پورا پیکج لیں گے تو تب اللہ تعالیٰ گناہ بھی معاف کردے گا اور دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا بھی عطا فرمائے گا۔

ہماری طرف براہِ راست قرآن مجید آیا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معبوث کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو براہِ راست ہماری طرف نہیں بھیجا کہ ہم سو کر اٹھیں تو ہمارے شعور میں قرآنی آیات آجائیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر صرف قرآن مجید حجت ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف پہلے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے، پھر ان کی طرف قرآن مجید بھیجا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قرآن مجید کا عملی پیکر اور اس کی تشریح و تعبیر کرنے والا بنایا۔ قرآن مجید میں الحمد سے والناس تک اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ ”میں نے براہِ راست تمہاری طرف قرآن مجید بھیجا ہے، بس اُسی کو تھام لو، یہی کافی ہے، کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔“ جو بات قرآن مجید نے اپنے بارے میں نہیں کہی، اسے قرآن مجید کی

طرف منسوب کر دینا، قرآن مجید پر تہمت لگانا ہے۔ قرآن مجید تو ہمیں مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔ (النساء، ۴: ۱۷۰)

”اے لوگو! بے شک تمہارے پاس یہ رسول (ﷺ) تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تشریف لایا ہے، سو تم (ان پر) اپنی بہتری کے لیے ایمان لے آؤ۔“

معلوم ہوا کہ ہمارے پاس تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں، براہ راست قرآن مجید نہیں آیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بھی آپ ﷺ پر ہی ایمان لانے کا واضح حکم دے رہا ہے کہ تمھاری بہتری کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ حیران کن امر یہ ہے کہ جو ہمارے پاس براہِ راست آئے، انھیں حجت تسلیم نہیں کر رہے اور جو (یعنی قرآن مجید) براہِ راست نہیں آیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ملا، صرف اسی کو حجت اور اتھارٹی ماننے پر اصرار کر رہے ہیں۔ یہ بات قرینِ عقل بھی نہیں ہے۔

حجیتِ حدیث و سنت کا انکار دین اور فرائضِ نبوت کے چار حصوں کا ترک کرنا ہے

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرۃ، ۲: ۱۵۱)

”اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہی میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا و قلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔“

اس آیت کریمہ میں تلاوتِ آیات سے مراد قرآن مجید ہے اور تلاوت کرنے والے سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ ہیں جو اپنی امت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تلاوت کرتے ہیں، پھر ان کے نفوس اور قلوب کا تزکیہ فرماتے ہیں اور ان کے قلب و باطن کو صاف کر کے اس قابل کرتے ہیں کہ اس میں قرآن مجید کا علم اور فہم آسکے اور پھر انھیں کتاب سمجھاتے اور اس کی تعلیم دیتے ہیں اور پھر حکمت و دانائی کی تعلیم دیتے ہیں اور پھر جو کچھ ہم نہیں جانتے، اس کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔ یہی وہ فرائضِ نبوت و رسالت ہیں جن کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن مجید نازل ہو گیا اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی آیات بھی ہم

پر تلاوت فرمائیں اور ہمارے دل و دماغ کو تزکیہ کے ذریعے قرآن مجید کو سمجھنے کے قابل بھی بنا دیا اور یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا (وہ تم پر ہماری آیات تلاوت کرتے ہیں) میں الحمد سے والناس تک قرآن مجید کا مکمل متن آگیا تو وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ (وہ تمھیں کتاب کی تعلیم دیتے ہیں) کو دوبارہ کیوں بیان کیا جارہا ہے۔۔۔؟ کیا آیاتِ قرآنی کی محض تلاوت اور پڑھنے کو تعلیم کا نام دیا جارہا ہے؟ اس کا جواب ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کو بیان فرمایا جن میں سے صرف ایک حصے؛ یتلوا علیکم ایتنا کا تعلق قرآن مجید سے ہے جبکہ اگلے چار حصوں؛ ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون کا تعلق حدیث و سنت کے ساتھ ہے۔ گویا دین کا ایک حصہ قرآن مجید اور چار حصے حدیث و سنت ہیں۔ اب اگر کوئی حجیتِ حدیث و سنت کا انکار کرنے والا ہے تو وہ دین کے چار حصوں کو رد کر رہا ہے۔

آیئے! دین کے ان پانچ حصوں کا اجمالاً جائزہ لیتے ہیں:

(۱) تلاوتِ آیات کرنے کا تعلق قرآن مجید سے ہے

یتلوا علیکم ایتنا کے مصداق تلاوتِ قرآن دین کا ایک حصہ ہے اور یہ واضح ہے۔

(۲) تزکیۂ نفوس کرنے کا تعلق حدیث و سنت سے ہے

وَیُزَکِّیْکُمْ کے مصداق تزکیہ دین کا دوسرا حصہ ہے۔ جس کا تعلق حدیث و سنتِ نبوی سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آتے اور عرض کرتے یارسول اللہ! ہمارے دلوں میں فلاں فلاں خیال آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: جاؤ اللہ کا ذکر کرو۔۔۔ کسی کو فرماتے: جاؤ استغفار کرو۔۔۔ کسی کو طہارت و پاکیزگی اور کسی کو خدمتِ والدین کی تلقین کرتے۔۔۔ کسی کو فرماتے کہ روزے رکھو اور کسی کو صفہ کے سائبان کے نیچے ٹھہرا لیتے کہ رات دن میری صحبت میں گزارو، تمہاری تربیت کروں گا۔ الغرض آقا علیہ السلام علمی و عملی طریقے اور توجہ اور صحبت کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ فرماتے۔ یہ سارا عمل تلاوت قرآن نہیں تھا۔ جو کچھ بھی آقا علیہ السلام صحابہ کو تعلیم دیتے اور ان کے تزکیہ کے لیے طریقہ کار تجویز کرتے، وہ سب کچھ حدیث ہے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن مجید کی کوئی آیت بھی پڑھنے کے لیے دی کہ اس آیت کو فلاں مسئلہ کے لیے فلاں تعداد میں پڑھو، تو پڑھنے کا یہ حکم بھی حدیث ہے۔

(۳) تعلیمِ کتاب دینے کا تعلق حدیث و سنت سے ہے

وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ کے مصداق تعلیمِ کتاب دین کا تیسرا حصہ ہے اور اس کا تعلق بھی قرآن مجید سے نہیں بلکہ حدیث و سنتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ یتلوا علیکم ایاتنا کے مصداق محض آیات کو پڑھنا تلاوت ہے جبکہ ان آیات کی وضاحت کرنا یعلمکم الکتاب کے ذیل میں آتا ہے۔ آقا علیہ السلام آیاتِ

قرآنی کی تلاوت بھی فرماتے اور پھر ان کے معانی و مفاہیم بھی بیان کرتے ہیں۔۔۔ ان کی تعبیر و تشریح بھی کرتے ہیں اور ان کے اطلاقات اور فروع بھی بیان کرتے ہیں۔ تلاوتِ آیات کے بعد تعلیمِ کتاب اصل میں سنت اور حدیث ہے۔ اس حصہ دین میں قرآن مجید کے احکامات کی تعبیر و تشریح اور وضاحت بزبانِ مصطفی ﷺ کی جارہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! قرآن مجید میں حکم آیا ہے کہ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ (نماز قائم کرو)۔ کیسے پڑھیں؟ فرمایا:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي۔ (بخاری، الصحیح، ۱: ۲۲۶، رقم: ۶۰۵)

”جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو، اس طرح پڑھا کرو۔“

اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے ۲۳ سال کی زندگی میں ہزارہا سوالات کیے اور آپ ﷺ نے ان کے جوابات ارشاد فرمائے اور عمل کرکے دکھایا۔ ان سوالات میں بے شمار چیزیں قرآن مجید سے متعلق بھی تھیں اور کئی چیزیں زندگی کے باقی معاملات کے متعلق بھی تھیں۔ یہ سب حدیث و سنت بنا۔

(۴) تعلیمِ حکمت دینے کا تعلق حدیث و سنت سے ہے

وَالْحِكْمَةَ کے مصداق دین کے چوتھے حصے کا تعلق بھی حدیث و سنت کے ساتھ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک حکمت سے مراد سنت ہے۔ وسیع تر معنی میں حکمت سے مراد دانائی، فہم اور تدبر ہے۔ یعنی آپ ﷺ تدبر، تفکر، دانائی اور دانشِ ربانی ہمیں پہنچارہے ہیں۔ یہ سب کچھ بھی حدیث و سنت کے ذیل میں آتا ہے اور اس میں سے کچھ بھی آیاتِ قرآنی میں سے نہیں ہے، اس لیے کہ آیات قرآنی کا بیان یتلوا علیکم ایتنا کے تحت آچکا۔ اب تلاوت کے بعد ان آیات پر جو کچھ حضور علیہ السلام بیان فرمارہے ہیں، یہ ایک ایک لفظ حدیث اور سنت ہے۔ قرآن مجید کو پڑھنے، سمجھنے، مفاہیم و معانی کو اخذ کرنے، احکامات کا اطلاق کرنے اور آیاتِ قرآنی کے مقاصد کو واضح کرنے سے متعلق آپ ﷺ کے تمام ارشادات حکمت کے تحت آتے ہیں۔ اس طرح حکمت بھی حدیث و سنتِ مصطفی ﷺ ہی ہے۔ الغرض آقا علیہ السلام نے جو کچھ بھی بیان فرمایا اور ان سے سائنس، فلسفہ، اخلاق، معاشرت، معیشت اور اجتماعی تعلقات کا جو نظام بھی بنتا چلا گیا، خواہ اس کی بنیاد قرآن مجید ہے یا آقا علیہ السلام کے ارشادات ہیں جن پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہے، یہ ساری حکمت ہے جو حدیث و سنت نبوی کے ذریعے معرضِ وجود میں آئی۔

(۵) اسرارِ معرفت و حقیقت کی تعلیم دینے کا تعلق حدیث و سنت سے ہے

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ کے مصداق دین کے پانچویں حصے کا تعلق بھی حدیث و سنت سے ہے کہ آپ ﷺ وہ اسرارِ معرفت و حقیقت ہمیں سکھاتے ہیں جو ہم نہ جانتے تھے۔

آپ ﷺ سے جو کچھ پوچھا گیا، آپ ﷺ نے ان کے بارے میں رہنمائی فرمائی، یہ سب بھی حدیث ہے۔ حتیٰ کہ سوال کرنے والے ذاتی نوعیت اور اخروی حال کے متعلق بھی آپ ﷺ سے سوال کرتے اور آپ ﷺ ہر ایک کا جواب عنایت فرماتے۔ ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! لوگ مجھے کسی اور کے نام سے بلاتے ہیں۔ میرے باپ کا نام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اسے اس کے باپ کا نام بتا دیا۔۔۔ ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! میں جہنم میں جاؤں گا یا جنت میں؟ فرمایا: تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے۔۔۔ کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے لیے بہترین عمل کیا ہے؟ آقا علیہ السلام نے اس کے حال کو دیکھتے ہوئے فرمایا: نمازوں کو اپنے وقت پر ادا کرنا۔۔۔ ایک اور صحابی نے بھی اس طرح کا سوال کیا: یارسول اللہ! سب سے افضل عمل کیا ہے؟ فرمایا: اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔۔۔ ایک اور صحابی نے بھی یہی سوال کیا تو آقا علیہ السلام فرمایا: جہاد کرنا۔

سوال ایک ہے مگر سوال کرنے والے لوگ جدا ہیں اور آپ ﷺ ہر ایک کو جدا جدا جواب دے رہے ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ طبیب و معالج بھی ہیں، مرشد و آقا بھی ہیں، استاد و معلم بھی ہیں اور رسول بھی ہیں، آپ ﷺ سب کچھ ہیں، آپ ﷺ ہر ایک کے حال، قلبی کیفیت، ذہنی نفسیات اور باطن کی ضرورت کو جانتے ہیں، اس لیے اسے اس کی ضرورت کے مطابق جواب دے رہے ہیں۔ لوگوں کے احوال اور قلبی کیفیات کے مطابق آپ ﷺ جو کچھ بھی فرما رہے ہیں یہ قرآن مجید نہیں ہے اور نہ یہ کسی آیت میں آیا ہے بلکہ یہ سب حدیث اور سنتِ نبوی ہے۔

پس پہلا فریضہ جو آقا علیہ السلام نے ادا کیا وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس حصہ دین اور فریضۂ نبوت کا تعلق قرآن مجید سے ہے بقیہ چار فرائض؛ تزکیہ نفوس، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت، تعلیمِ اسرارِ معرفت و حقیقت کا تعلق قرآن مجید کے ساتھ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ نے فرائضِ رسالت کی ادائیگی میں یہ امور انجام دیئے۔ ان چار فرائض میں کہیں قرآن مجید کا متن شامل ہوتا۔۔۔ کہیں قرآن مجید کی تشریح اور تعبیر شامل ہوتی۔۔۔ کہیں اجتہاد اور ذاتی فہم شامل ہوتا۔۔۔ اور کہیں آپ ﷺ کی حکمت و بصیرت شامل ہوتی۔ اس طرح فرائضِ رسالت کے یہ چار حصے جو قرآن مجید کی تعبیر و تشریح اور انسانی زندگی کی ضرورت کے حوالے سے آپ ﷺ کے فرامین پر مبنی ہیں، یہ تمام حدیث و سنت کے ذیل میں آتے ہیں۔

صرف قرآن مجید کو حجت ماننا اور باقی کسی چیز کو حجت نہ ماننے کا مطلب فرائضِ رسالت اور دین کے ایک حصہ کو ماننا اور چار کو رد کرنا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ”قرآن مجید کے سوا کوئی شے حجت نہیں“، ایسا کہنا سراسر کفر اور قرآن مجید کا انکار ہے۔

(جاری ہے)

آپ کے فقہی مسائل

مزاح کی شرعی حدود و قیود

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرِ نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: ہنسی مذاق اور شرارت میں دی گئی تکلیف کا کیا حکم ہے؟

جواب: دینِ اسلام فطری دین ہے، جس نے انسان کی فطری خواہش کے عین مطابق حدود و قیود کے ساتھ ہنسی مزاح کی اجازت دی ہے۔ مزاح اور زندہ دلی و خوش طبعی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے، جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہو جانا نازیبا اور مضر ہے، اسی طرح اس لطیف احساس سے آدمی کا بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ جو بسا اوقات انسان کو خشک بنا دیتا ہے۔ بسا اوقات ہمجولیوں اور ہمنشینوں اور ماتحتوں کے ساتھ لطیف ظرافت و مزاح کا برتاؤ ان کے لیے بے پناہ مسرت کے حصول کا ذریعہ اور بعض اوقات عزت افزائی کا باعث بھی ہوتا ہے۔

مزاح انسانی فطرت کا لازمہ ہے اور اس کے جواز پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی خوش طبعی اور مزاح فرماتے تھے لیکن آپ کا مزاح بھی ایسا ہوتا کہ جس میں نہ تو جھوٹ ہوتا تھا اور نہ اس سے کسی کی دل آزاری ہوتی۔ خشک مزاجی آپ ﷺ کو پسند نہیں تھی، آپ نہیں چاہتے تھے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مزاج و طبیعت کو ہمیشہ خشک اور بے لذّت بنائے رکھیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کبھی کبھار اپنے جاں نثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپ ﷺ کی نہایت لذت بخش شفقت ہوتی تھی، لیکن آپ ﷺ کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ ہوتا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا، قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ: فَإِنَّكَ تُدَاعِبُنَا يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا۔

میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہم سے مزاح بھی فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔ (أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۴۰، الرقم: ۸۴۶۲)

اب سوال یہ ہے کہ اس مزاح کی حدود کیا ہیں؟ اس حوالے سے قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

”اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ اُن (تمسخُر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں اُن (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں، اور نہ آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے، اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں۔“ (الحجرات، ۴۹:۱۱)

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاح کے آداب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَازِحْهُ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ.

اپنے بھائی کو ہنسی مذاق کر کے ناراض نہ کرو اور اسے اذیت نہ دو، اور نہ اس سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرو۔ (ترمذي، السنن، کتاب: البر والصلة، باب: ماجاء في المراء، ۴: ۳۵۹، الرقم: ۱۹۹۵)

درج بالا آیت اور روایت سے معلوم ہوا کہ ایسی دل لگی اور مزاح جس میں کسی کی دل شکنی اور ایذاء رسانی کا کوئی پہلو نہ ہو اور نہ اس کی نیت ہو تو شریعت میں تفریح طبع کے طور پر اس کی اجازت ہے۔ اس کے برعکس ایسا مزاح جس میں طنز کرنے، مذاق اڑانے، عزتِ نفس مجروح کرنے، فحش گالیاں دینے، فحش گوئی کرنے وغیرہ کے پہلو شامل ہوں، شرعِ اسلامی میں ممانعت ہے اور اس کا مرتکب گناہگار ہے۔ اگر کوئی شخص درج بالا ممنوع امور کا مرتکب ہوا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے، اس کے مزاح سے جن لوگوں کی دل آزاری ہوئی ہے اگر وہ زندہ ہیں تو ان سے بھی معافی مانگی جائے اور ان میں سے جو فوت ہو چکے ہیں ان کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ ایسے مزاح سے اجتناب کرے۔

سوال: ثقافتی حملہ سے کیا مراد ہے اور اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

جواب: عام مسلمانوں پر بالعموم اور نوجوان نسل پر بالخصوص ذہنی اور فکری مغربی تہذیب و ثقافت کی صورت میں ہونے والے حملے سے مراد ثقافتی حملہ ہے، جس کے زیر اثر نوجوان نسل کے معاشی اور سماجی تصورات زندگی بدل رہے ہیں۔ اخلاقی، عائلی، سماجی اور معاشرتی قدریں کمزور پڑتی جا رہی ہیں اور نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ فحاشی، عریانی اور بے راہروی کے سیلاب نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے جس کے نتیجے میں معاملہ اس حد تک بگاڑ کا شکار ہو گیا ہے کہ معاشرے سے شرم و حیا ہی ختم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار نے تمام معاشرتی قدروں کو خطرناک اور نام نہاد جدت پسندی کا رخ دے دیا ہے، نتیجتاً شریعت کی گرفت کمزور پڑنے کے باعث ہماری زندگی سے اسلام یوں رخصت ہوا کہ ہم محض نام کے مسلمان رہ گئے اور ہمارا اسلامی تشخص ہماری مسلمانی پر بقول اقبال یوں آہ و زاری کر رہا ہے:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ثقافتی حملہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قدم کے طور پر امتِ مسلمہ کے اندر بالعموم اور نوجوان نسل کے اندر بالخصوص حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ اور سنت طیبہ سے محبت اور قلبی وابستگی پیدا کی جائے اور عملی اسلام کا وہ چہرہ ان کے سامنے پیش کیا جائے جو ان کے لئے کشش کا باعث ہو اور جس سے یہ واضح ہو کہ پیغمبرِ انسانیت اور ہادی برحق ﷺ نے اعلیٰ، بامقصد زندگی اور تہذیب و ثقافت کے بہترین نمونے اور اخلاقی قدروں کا جو نظام عطا کیا، وہ عملی سطح پر دنیا سے افضل ہے۔ آج وقت کی اہم ترین ضرورت نئی نسل کو اسلام کے اصولوں اور تہذیبی و ثقافتی اقدار سے روشناس کرانا ہے۔

اسلامی اقدار کو کمزور کرنے میں جہاں اسلام دشمن طاقتیں برسرِ عمل ہیں وہاں بعض والدین بھی منفی کردار ادا کر رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے بچوں کی بچپن سے ہی ذہنی تربیت غیر اسلامی تہذیبی سانچوں میں ڈھال کر کرتے ہیں۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے، جب لوہا گرم ہو تو اسے جس طرح چاہے پگھلا کر موڑ سکتے ہیں لیکن اگر غفلت کی وجہ سے لوہا ٹھنڈا ہو کر جم گیا تو پھر اس میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ سب سے اہم ذمہ داری ہمارے علماء، ائمہ مساجد، ادیب، شعراء اور اہلِ قلم پر بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اس قیمتی اثاثہ کی حفاظت کریں جو اسلام کی نایاب ترین اقدار اور ثقافت کی صورت میں موجود ہے۔ ان پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے کلام اور وعظ میں اسلام کی روایات و اقدار کو قرآن و سنت کی روشنی میں پروان چڑھائیں۔ جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (بخاري، الصحيح، كتاب النكاح، ۵: ۱۹۸۸، رقم: ۴۸۹۲)

”تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

ہر شخص اپنے دائرہ کار کے اندر جوابدہ ہے۔ کوئی گھر کا سربراہ ہے تو اس سے گھر کے معاملات کے بارے میں اور اگر کسی شخص کا اختیار محلہ، قصبہ، شہر، صوبہ اور ملکی سطح تک ہے تو اس کی جواب طلبی کا دائرہ ان تمام سطحوں تک پھیلا ہوا ہو گا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے عملی نظام کو گھر کی سطح سے لے کر اجتماعی اور ملکی سطح پر نافذ کر دیا جائے تاکہ دورِ جدید کی تہذیب و ثقافت کی تند و تیز آندھیوں سے نوجوان نسل کے ایمان کی بجھتی ہوئی شمع کو محفوظ کیا جا سکے۔

سوال: آیات قرآنیہ کو تشبیہ کے طور پر پڑھنا کیسا ہے؟ جیسے کوئی پینے کے لیے پانی لائے تو مجمع میں سے کوئی بطور تشبیہ کہے وَكَأْسًا دِهَاقًا۔ اس حوالے سے رہنمائی فرمادیں۔

جواب: تشبیہ، فنِ بلاغت کی ایک نوع ہے جس کا معنیٰ ایک شئے کو دوسری شئے کے ساتھ کسی خاص وصف میں شریک بنانا ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں ’التشبیہ تمثیل الشئی بالشئی‘ یعنی تشبیہ، ایک شئے کو دوسری کی مثال قرار دینا ہے۔ مثلاً زید شیر ہے۔ اس جملے میں زید مشبہ (جس کو تشبیہ دی گئی) ہے اور شیر مشبہ بہٖ (جس سے تشبیہ دی گئی) ہے اور زید کو شیر کہنے کی وجہ اس کی بہادری ہے۔

قرآنِ کریم میں بے شمار مقامات پر تشبیہات کا استعمال کیا گیا ہے۔ ’امثال القرآن‘ اور ’شبیہاتِ قرآنی‘ علوم القرآن کا باقاعدہ حصہ ہیں۔ اس کی ایک مثال قرآنِ مجید کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا طرزِ عمل بیان کیا ہے۔ منافقین اپنے تئیں یہ گمان کرتے تھے کہ ظاہر میں مسلمان اور

باطن میں مسلمانوں کے دشمن ہو کر ہم اللہ، اس کے رسول اور اہلِ اسلام کو دھوکہ دے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں اور مزید فرمایا:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۔

”ان کی مثال ایسے شخص کی مانند ہے جس نے (تاریک ماحول میں) آگ جلائی اور جب اس نے گرد و نواح کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور سلب کر لیا اور انہیں تاریکیوں میں چھوڑ دیا اب وہ کچھ نہیں دیکھتے۔“ (البقرہ، ۲: ۱۷)

اس آیتِ مبارکہ میں منافقین کو حق سے دھوکہ کرنے کی کوشش کی وجہ سے اندھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

علمی و تربیتی گفتگو میں قرآنی آیات بطور تشبیہ پڑھنا مستحسن و درست ہے، مگر بے محل یا لغو گفتگو میں قرآنی استعارات و تشبیہات استعمال کرنا کلام اللہ کے شایانِ شان نہیں۔ پانی کے بھرے ہوئے برتن کو جھلکتا دیکھ کر ’وکاساً دھاقا‘ بطور تشبیہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: کیا کسی کو رضامندی سے دیا ہوا مکان یا کوئی اور شے واپس لینا جائز ہے؟

جواب: رضامندی سے مکان ہو یا کوئی اور شے، جو بھی تحفتاً دے دیا، ہبہ کر دیا تو کسی صورت میں وعدہ خلافی نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ. (المائدۃ، ۵: ۱)

”اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا. (الاسراء، ۱۷: ۳۴)

بے شک وعدہ کی ضرور پوچھ گچھ ہو گی۔“

اگر مکان یا کوئی اور شے کسی شخص کو ہبہ کر دیا گیا تھا تو اس کو واپس لینا درست نہیں ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں بھی اس عمل سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِي قَيْئِهِ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ.

اپنی ہبہ (gift) کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اسے کھا لیتا ہے۔ ہم مسلمانوں کی شان بری مثالوں کو اپنانا نہیں۔

(بخاري، الصحيح، ۶: ۲۵۵۸، رقم: ۶۵۷۴)

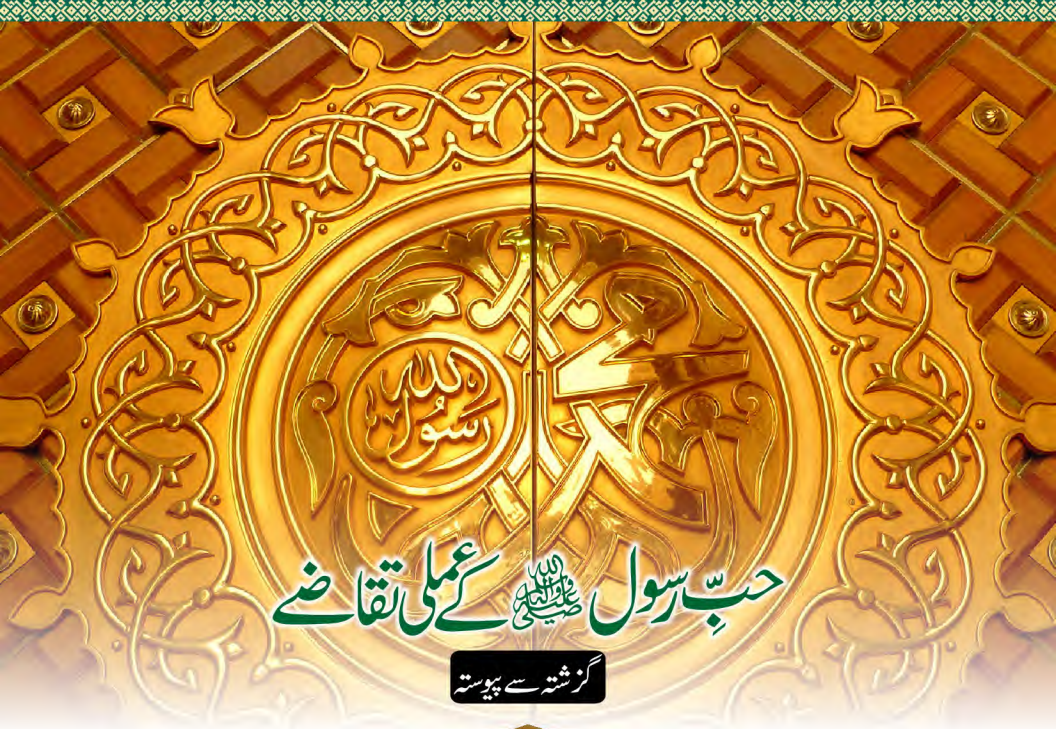

حبِّ رسول ﷺ کے عملی تقاضے

گزشتہ سے پیوستہ

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

کسی بھی کلمہ گو کا دل محبتِ رسول ﷺ سے بالکل خالی نہیں ہوتا، تاہم بعض خوش نصیبوں کو اس کا وافر حصہ ملا ہوتا ہے اور محبت کے فطری تقاضے کے مطابق ان سے بعض اعمال کا ظہور یا ارتکاب ہونا ضروری ہے۔ اسی چیز کو محبت کے عملی تقاضے یا محبت کی علامات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ محبت رسول ﷺ کے کچھ تقاضے تو حضور ﷺ کی ظاہری زندگی کے ساتھ خاص تھے جن پر عمل اب ممکن نہیں مگر کچھ ایسے تقاضے ہیں جن کا تعلق قیامت تک کے لیے ہر محبِّ رسول ﷺ سے ہے۔

زیرِ نظر مضمون کے گزشتہ حصہ (شائع شدہ ستمبر 2024ء) میں حبِّ رسول ﷺ کے سات اہم عملی تقاضوں کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ذیل میں محبتِ رسول ﷺ کے چند مزید اہم عملی تقاضوں کو بیان کیا جاتا ہے:

(۸) کتابِ الٰہی سے محبت رکھنا

حضور ﷺ کو اپنے اوپر نازل ہونے والی آخری آسمانی کتاب قرآن مجید سے ذاتی طور پر جو تعلقِ خاطر، محبت اور شغف رہا ہے اور جس طرح آپ ﷺ نے اپنی امت کو قرآن سے علمی و عملی تعلق

رکھنے کی تاکیدات اور قرآن مجید کو پسِ پشت ڈالنے پر سخت وعیدات فرمائی ہیں پھر قرآن مجید کی تلاوت و عمل پر دنیوی و اخروی فوائد بتائے ہیں اور جس طرح اس کی حفاظت پر زور دیا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ قرآن مجید سے نہ صرف قلبی لگاؤ رکھا جائے بلکہ تمام دنیا میں اس کے ہمہ جہتی فروغ کے لیے مقدور بھر مساعی بھی کی جائیں کیونکہ یہی قرآن مجید آپ ﷺ کا دائمی معجزہ اور شریعتِ محمدیہ ﷺ کا بنیادی ماخذ و مصدر ہے۔

(۹) امتِ محمدیہ ﷺ سے پیار کرنا

نبی کریم ﷺ کو دنیا و آخرت کے حوالے سے اپنی امت سے جو تعلقِ خاطر، محبت، شفقت، پیار، ہمدردی اور خیر خواہی ہے اور جس جس انداز میں آپ ﷺ نے امت سے کمال غم خواری کا مظاہرہ کیا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس بے مثال محبت کا عملی تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی امت سے بلا امتیاز اور بلا تخصیص پیار کیا جائے۔ امت کے کسی فرد کو حقیر نہ سمجھا جائے، حتی الامکان اس کی ہمدردی اور خیر خواہی کی جائے۔ بلاوجہ اس کو نقصان پہنچانے اور پریشان کرنے سے گریز کیا جائے۔ مسلمانوں کو کسی بھی حوالے سے دھوکہ دینے اور نقصان پہنچانے والوں کو حضور ﷺ نے اپنی امت سے ہی خارج قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان) اور آخرت کے لیے عذاب کی وعیدیں سنائی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

”جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہو کر بیٹھا رہا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔“

(سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفئی والامارۃ)

(۱۰) حضور ﷺ کی اطاعت واتباع کرنا

محبتِ رسول ﷺ کی ایک بڑی پہچان یا عملی تقاضا ہر حالت میں خلوصِ دل ہی نہیں بلکہ کھلے دل سے اور کسی قسم کے احساسِ کمتری کے بغیر بڑے تفاخر سے خلوت و جلوت میں آپ ﷺ کے جملہ احکام کی بجاآوری، نواہی سے اجتناب اور آپ ﷺ کے فرمودات اور سنتوں پر عمل کرنا ہے۔ اطاعتِ رسول ﷺ کے سلسلے میں قرآن و سنت کی تصریحات، تاکیدات اور عدمِ اتباع پر وعیدات اور دنیوی و اخروی نقصان واضح ہیں۔ یہ بات دعوائے محبت بلکہ انصاف کے بھی خلاف ہے کہ آدمی اظہارِ محبت کے طور پر محفلوں، جلسوں، جلوسوں، کانفرنسوں، سیمیناروں، مذاکروں، نعتیہ و تقریری مقابلوں، اشتہاروں، نعروں، عمروں اور نوافل جیسے آسان اور وقتی طریقہ ہائے محبت پر تو بڑا زور لگائے مگر زندگی میں

ہر موقع و مرحلہ اور قدم قدم پر دل و جان سے آپ ﷺ کی پیروی اور آپ ﷺ کے رنگ میں رنگے جانے سے شرم اور عار محسوس کرے یا کسی قسم کی نرمی، کمزوری، سستی اور چشم پوشی کا مظاہرہ کرے۔

شریعتِ اسلامیہ میں رسول اکرم ﷺ کی حیثیت اور مرتبہ و مقام (العیاذ باللہ) کسی ''بابائے قوم'' کا نہیں کہ صرف ان کی ولادت اور برسی کے موقع پر بھرپور انداز میں خراجِ عقیدت پیش کر دیا جائے۔ حضور ﷺ کی فرمانبرداری چھوڑ کر محض محبت و عقیدت کا اظہار خود حضور ﷺ کو بھی پسند نہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے حکم پر دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جہاد کے لیے روانہ ہونے کے حکم پر عمل پیرا ہونے سے قبل از راہِ عقیدت و محبت جب آپ ﷺ کے پیچھے جمعہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کو مقدم سمجھا تو آپ ﷺ نے ایسی سوچ یا ایسے اظہارِ محبت کو سخت ناپسند فرمایا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، باب آداب السفر)

اسی طرح ایک دن نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے وضو کا پانی اپنے جسموں پر ملنے لگے۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اس اظہارِ عقیدت پر تمہیں کیا چیز ابھار رہی ہے؟ انھوں نے عرض کی: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت''۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھے یا اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت فرمائے تو اسے چاہیے کہ جب وہ بات کرے تو (ہمیشہ) سچ بولے اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اپنی امانت ادا کرے اور جو آدمی اس کے پڑوس میں رہتا ہو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

محبت کا ایک فطری اصول ہے کہ اگر آدمی محبت میں کامل اور سچا ہو تو وہ اسے اپنے محبوب کی اطاعت پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے احکام کی بجا آوری ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے طبعی عادات و اطوار میں بھی اتباع اور پیروی کے ریکارڈ قائم کیے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو بعض ایسے احکام میں بھی آپ ﷺ کی پیروی کی ہے جو بظاہر قرآن مجید کی نص کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً چار بیویوں تک نکاح کرنے کی قرآنی اجازت کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کی خواہش پر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وفات تک دوسرا نکاح نہ کرنا (صحیح بخاری) اسی طرح معاملات میں دو گواہوں کے ضروری ہونے کے قرآنی ارشاد کے باوجود معاملات میں اکیلے حضرت خزیمہ کی گواہی کو کافی سمجھنا وغیرہ۔ (سنن ابی داؤد، کتاب القضا، باب اذا علم الحاکم صدق الشھادۃ الواحد)

حضور ﷺ کی اطاعت نہ کرنا ایک قسم کا انکار ہے۔ زبانی انکار کرنے والا تو خیر دائرہ اسلام سے ہی خارج ہے مگر عمل نہ کرنے والا بھی کم مجرم نہیں۔ اسے بھی کچھ عرصہ آخرت میں اپنے اس طرزِ عمل کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

خالصتاً مادی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بھی اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ کریم نے ہر قسم کی عزت، کامیابی اور کامرانی اتباعِ نبوی ﷺ میں ہی رکھی ہے۔ اسی لیے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(۱۱) ذاتِ رسول ﷺ میں نقص تلاش نہ کرنا

نبی اکرم ﷺ کا بار بار اور کثرت سے ذکر اور دیدار کا شوق بھی محبتِ رسول ﷺ کا خاصہ اور ایمان کی غذا ہے۔ کیونکہ محبت کا اصول ہے کہ من احب شیئا اکثر ذکرہ ''جو کسی چیز سے محبت رکھتا ہے، وہ کثرت سے اسے یاد کرتا ہے۔'' اس کے ساتھ ساتھ ذکرِ نبوی ﷺ، نامِ رسول اور تذکارِ رسالت کے سامنے عاجزی و انکساری، تعظیم و توقیر اور خشوع کا اظہار بھی شرعاً ضروری ہے۔ (قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۲۶)

انسان کی عمومی عادت بلکہ فطرت ہے کہ اسے جس آدمی یا جس چیز سے محبت ہوتی ہے، اس میں اسے کوئی نقص و عیب نظر نہیں آتا۔ محبت کے اس قدرتی خاصہ کی طرف حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے یوں اشارہ فرمایا ہے کہ:

حبك الشئی یعمی ویصم۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الادب)

''کسی چیز کے ساتھ تیری محبت (اس کے عیب دیکھنے سے) نابینا اور (اس کے عیب سننے سے) بہرا بنا دیتی ہے۔''

محبت کا یہ خاصہ یا تقاضا ہر اس محبوب شے سے متعلق ہے جس میں نقص و عیب کا پایا جانا ممکن ہے تو رسول اللہ ﷺ کی وہ ذات والا شان جو ظاہری و باطنی اور خَلق و خُلق کے اعتبار سے نیر اعظم ہے اور ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک پیدا کی گئی ہے، اس میں العیاذ باللہ نقائص و عیوب کو تلاش کرنا اور ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کی خداداد رفعت و عظمت اور بے حد و غیر محدود بلند مرتبہ و مقام کو کسی نہ کسی طرح گھٹانے کی کوشش کرنا آپ ﷺ کے ساتھ محبت کے خلاف ہی نہیں بلکہ حقیقت اور عقلی طور پر انصاف کے بھی برعکس ہے۔

چنانچہ جب ہم نامِ نامی ''محمد'' کی لفظی و معنوی حقیقت کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ''محمد'' کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ذات ستودہ صفات جس کی ہمیشہ، بار بار اور ہر جہت و زاویہ سے تعریف کی گئی ہو۔۔۔ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔۔۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف کے بعد توصیف ہوتی رہے۔ چنانچہ خالقِ کائنات سے لے کر مخلوق تک انبیاء کرام علیہم السلام سے لے کر جن و ملک تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک، غرض ہر ذی روح اور غیر ذی روح، سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی ہے اور آج بھی دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی زبانیں دن میں نہ جانے کتنی بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف کے لیے متحرک رہتی ہیں حتی کہ کفار اور غیر مسلموں میں بھی ایک انصاف پسند طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول تسلیم نہیں کرتا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ، امانت و دیانت، عدل و انصاف، صداقت و راست بازی اور انسانی ہمدردی و خیر خواہی جیسی خوبیوں کا معترف ہے۔

اسمِ ''محمد'' کی درج بالا یہ معنوی حقیقت بھلا عرب کے اہلِ زبان سے کیسے مخفی رہ سکتی تھی۔ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''محمد'' کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذمت بیان نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی کرے گا تو اپنے منہ سے جھوٹا ہوگا کہ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محمد (سراپا تعریف) کہتا ہے، دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذمت بھی کرتا ہے۔ اہلِ مکہ نے اسی تضاد اور مشکل سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ''محمد'' کی بجائے ''مذمم'' (مذمت کیا گیا) تجویز کر رکھا تھا اور اسی نام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والا شان کو سب و شتم کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے تھے۔ (فتح الباری، ابن حجر، ۶: ۵۵۸) گویا ان کا یہ طرزِ عمل اور سب و شتم کا انداز بھی خود ''محمد'' کی معنوی حقیقت پر دلالت کرنے والا تھا۔ اسی لیے حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

الا تعجبون کیف یصرف اللہ عنی شتم قریش ولعنھم یشتمون مذمما ویلعنون مذمما وانا محمد۔
(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ما جآء فی اسماء رسول اللہ)

''کیا یہ بات باعثِ تعجب و حیرت نہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے سب و شتم اور ان کی لعنت کو میری ذات سے پھیر دیا ہے؟ وہ مذمم، نامی شخص کو گالیاں دیتے اور اس پر لعنت کرتے ہیں جبکہ میں تو (بحمد اللہ) ''محمد'' (سراپا تعریف) ہوں۔''

ابن سعد نے یہی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

یا عباد اللہ انظروا کیف یصرف اللہ عنی شتمھم ولعنھم یعنی قریشا۔ قالوا کیف یا رسول اللہ؟ قال یشتمون مذمما ویلعنون مذمما وانا محمد۔ (ابن سعد، الطبقات، ۱: ۱۰۶)

''اے بندگانِ خدا: دیکھو اللہ کریم نے کیسے قریشِ مکہ کی گالیوں اور لعنت و ملامت کو میری ذات

سے پھیر دیا ہے؟ لوگوں نے پوچھا، وہ کیسے یارسول اللہ؟ فرمایا وہ مذمم نامی آدمی کو گالیاں دیتے اور اسے برا بھلا کہتے ہیں، جبکہ میں بحمد اللہ ''محمد'' (سراپا تعریف) ہوں۔''

نیز نامِ محمد کی اس معنوی گہرائی اور حقیقت سے یہ بات بھی عیاں ہوئی کہ حضور ﷺ کی ذات ولا صفات میں انسانی اور پیغمبرانہ حیثیت سے کسی قسم کے نقص و عیب کا تصور کرنا آپ ﷺ کی شانِ محمدیت کے منافی ہے۔ یقیناً اسی حقیقت کے پیش نظر شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

خلقت مبراء من کل عیب

کانك قد خلقت کما تشاء

اور اسی چیز کو فاضل بریلویؒ نے یوں خوبصورت شعری جامہ پہنایا ہے:

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

(۱۲) تعلیماتِ رسول ﷺ پر عمل

محبت رسول ﷺ کا یہ بھی ایک لازمی تقاضا ہے کہ جوشِ محبت کے ساتھ ساتھ ہوش سے بھی کام لیا جائے۔ محبتِ رسول کے اظہار کا ہر ایسا انداز اور طریقہ و طرزِ عمل جس سے تعلیماتِ رسول یا شریعتِ مصطفوی کے کسی حکم کی واضح نفی اور کھلم کھلا نافرمانی ہوتی ہو، وہ خود اس ذاتِ بابرکات اور صاحبِ شریعت کو پسند نہیں جس سے اظہارِ محبت کے لیے اسے اختیار کیا جارہا ہے۔ اظہارِ محبت کے لیے ایسے خلافِ شرع طرزِ عمل سے خوش فہمی میں ظاہر بین لوگوں کی داد تو سمیٹی جاسکتی ہے مگر حضور ﷺ کی خوشنودی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

حضرت قیس بن سعد سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں حیرہ (کوفہ کے پاس ایک شہر) میں آیا تو میں نے اہلِ حیرہ کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو (تعظیماً) سجدہ کرتے ہیں۔ اس پر میں نے (دل میں) کہا کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ ﷺ کے لیے سجدہ کیا جائے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے عرض کیا (یارسول اللہ!) میں حیرہ میں گیا تھا اور وہاں میں نے لوگوں کو اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہذا آں جناب ﷺ تو اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کی تعظیم کے لیے سجدہ کیا جائے۔ اس پر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

تمہارا خیال ہے کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو گے تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ تو میں نے عرض کیا: نہیں۔ اس پر فرمایا: ایسا (میری زندگی میں بھی) ہرگز نہ کرنا۔ اگر میں کسی ایک آدمی کو حکم

دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو یقیناً عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں۔ بوجہ شوہروں کے اس حق کے جو اللہ نے ان پر واجب کیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح، باب عشرۃ النسآء)

ایک صحابیہ حضرت امیمہ بنت رقیقہ کا بیان ہے کہ میں چند خواتین کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہم سے قرآن مجید میں موجود ان احکام پر بیعت لی کہ ”تم چوری نہیں کرو گی، بدکاری نہیں کرو گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی اور کسی (بے گناہ) پر بہتان نہیں لگاؤ گی“۔ پھر (ازراہ شفقت و رحمت) فرمایا کہ تم حسبِ استطاعت و طاقت ان احکام کو بجا لانا۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہم پر ہماری اپنی ذاتوں سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ پھر ہم نے (فرطِ عقیدت میں) عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ ہم سے مصافحہ نہیں فرمائیں گے؟ فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔ کسی ایک عورت کے لیے میری کوئی بات (حکم) سو عورتوں کے لیے بات کی مانند ہے۔ (ابن سعد، الطبقات)

اس سے اس امر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب بعض صحابہ و صحابیات نے اس قسم کے خلافِ شرع اور تعلیماتِ رسول کے برعکس انداز میں حضور ﷺ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرنا چاہا تو صاحب شریعت ﷺ نے اس کی اجازت دی نہ اس چیز کو پسند کیا۔

(۱۳) امتِ رسول ﷺ میں تفرقہ پیدا نہ کرنا

عام مشاہدہ ہے کہ محبت دوئی اور غیرت برداشت نہیں کرتی۔ ایک حسین بہت سی مشتاق نگاہوں کو اسیر بنالے تو ان میں باہم رقابت کی آگ بھڑکتی ہے۔ مگر اللہ کریم اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے چاہنے اور محبت کرنے والوں میں کسی قسم کی رقابت، غیریت اور دشمنی کی بجائے رنگ و نسل اور زبان و علاقہ کے اختلاف کے باوجود وہ باہمی محبت و اخوت، مثالی بھائی چارہ اور گہرا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے جو تمام خونی اور قریبی رشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا تھا:

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

ملا علی قاریؒ نے حضور ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کے حوالے سے متفق علیہ حدیث: لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ کی شرح میں امام قرطبیؒ کا ایک قول

نقل کیا ہے، جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ:

”ہر وہ آدمی جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحیح ایمان رکھتا ہے، اس قسم کی ترجیحی محبت رسول ﷺ سے بالکل خالی نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ خواہشاتِ نفس میں مستغرق اور اکثر اوقات غفلت کے پردوں میں ہی کیوں نہ پڑا ہو۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ ہم ایسے (غافل و گنہگار) لوگوں کی اکثریت کو دیکھتے ہیں کہ جب ان کے سامنے آپ ﷺ کا ذکرِ خیر کیا جاتا ہے تو وہ آپ ﷺ کی زیارت کے لیے بے تاب ہو جاتے اور اس چیز کو اپنے اہل و عیال، اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنے ماں باپ پر ترجیح دیتے ہیں اور اس محبت میں اپنے آپ کو پوری طمانیتِ قلبی کے ساتھ بلا تردد (بلا خوف و خطر) مصائب و خطرات میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ خارج میں اس چیز کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسے بہت سے لوگ شہوت و غفلت کے غلبہ کے باوجود آپ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت اور آپ ﷺ کے آثار و نشانات کی جگہوں کو دیکھنے کے لیے ایثار و قربانی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت گھر کر چکی ہے۔ صرف اتنی کمی ہے کہ ان کے قلوب مسلسل غفلت اور کثرتِ شہوت کی وجہ سے زیادہ تر فضول چیزوں میں مصروف اور اپنے لیے نفع مند چیزوں کو بھولے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اس نوع کی محبتِ رسول ﷺ کی برکت سے محروم نہیں رہیں گے اور ان کے لیے ان شاء اللہ ہر قسم کی خیر کی امید کی جائے گی۔“

(ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، کتاب الایمان، الفصل الاول)

اس امر کی تائید درج ذیل حدیث نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی تھا جس کا نام عبد اللہ اور لقب حمار تھا

اور وہ رسول اللہ ﷺ کو (اپنی بعض محبانہ اداؤں سے) ہنسایا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے کے جرم میں اس پر (کئی مرتبہ) حد بھی جاری فرمائی (چنانچہ اس نے شراب کی دیرینہ عادت کے ہاتھوں مجبور ہو کر پھر شراب پی لی) تو ایک دن اسے حضور ﷺ کے پاس لایا گیا۔ حضور ﷺ نے اسے کوڑے مارنے کا حکم فرمایا جس پر اسے کوڑے لگائے گئے۔ لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا: ”اے اللہ اس پر لعنت فرما، یہ کتنی مرتبہ شراب پینے کے جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔“ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تلعنوہ فواللہ ما علمت انہ یحب اللہ و رسولہ۔

(صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ)

”اس پر لعنت نہ بھیجو۔ قسم بخدا میرے علم کے مطابق یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔“

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: پہلے یہ بتا کہ تو نے اس کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے عرض کی: (یارسول اللہ ﷺ!) میں نے اس کے لیے نہ تو کوئی زیادہ نماز تیار کر رکھی ہے، نہ روزہ اور نہ صدقہ۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے محبت رکھتا ہوں۔ فرمایا: تو (قیامت کے دن) اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت رکھتا ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی چیز پر اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا (حضور ﷺ کی) اس بات پر خوش ہوئے۔

(مشکوۃ المصابیح، باب الحب فی اللہ و من اللہ)

ان احادیثِ نبوی ﷺ اور امام قرطبیؒ کے درج بالا قول سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھ لینے اور حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی برکت سے کسی گنہگار سے گنہگار آدمی کا دل بھی محبت رسول ﷺ سے بالکل خالی نہیں ہو سکتا۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی اور مسلسل گناہوں کی نحوست و بے برکتی کے سبب محبتِ رسول ﷺ کی یہ چنگاری وقتی طور پر دب سکتی ہے مگر بجھ نہیں سکتی۔

چنانچہ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ بسا اوقات بعض عام قسم کے مسلمان نوجوانوں نے محبت رسول ﷺ کے سلسلے میں ایسے یادگار کارنامے سرانجام دیئے جو کوئی علامہ صاحب، خطیب صاحب، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت اور مذہبی قائد سرانجام نہ دے سکا۔ اس لیے کسی بھی مکتبۂ فکر کا اظہارِ محبت کے لیے اپنے مخصوص و متعین طریق کار اور مخصوص سوچ کے پیش نظر محبتِ رسول ﷺ کے جذبہ پر

”اجارہ داری“ کا دعویٰ اور دوسرے مکاتب فکر کے مسلمانوں کو محبت رسول ﷺ کے ”سرٹیفکیٹ“ کے لیے غیر مستحق قرار دینے کا طرزِ عمل نہ صرف شریعتِ محمدیہ میں پائی جانے والی وسعت وآسانی کے خلاف ہے بلکہ اہلِ اسلام کے درمیان شرعی طور پر مطلوب و مقصود ”باہمی اتحاد و اتفاق“ اور امتِ مسلمہ کو درپیش معروضی حالات اور چیلنجز سے نمٹنے کے لازمی تقاضوں کے بھی برعکس ہے۔

مختصر یہ کہ کلمہ طیبہ اور ایمان بالرسالت کی برکت سے کسی بھی مسلمان کا دل محبتِ رسول ﷺ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ لہذا مسلکی، فکری، فقہی، اجتہادی، فروعی، سیاسی، نسلی، علاقائی، معاشرتی اور سماجی قسم کے معمولی اختلافات کو بنیاد بنا کر امت میں مستقل فرقہ بندی اور لڑائی جھگڑے کو ہوا دینا بھی محبتِ رسول ﷺ کے عملی تقاضا کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ نے تو دنیا میں امن قائم کرنے کی خاطر صلح حدیبیہ کے معاملہ میں ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ مٹا دینا بھی قبول کر لیا تھا اور امت میں تفریق کے خدشہ سے بیت اللہ کی ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کا ارادہ ترک کر دیا تھا مگر ہم ہیں کہ حضور ﷺ کے نام پر ہی سر پھٹول کر رہے ہیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجد بنا رکھی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہاء کرام اور دیگر علماء امت میں ہمیشہ نقطۂ نظر، رائے اور اجتہاد کا اختلاف رہا مگر انھوں نے اس اختلاف کو بنیاد بنا کر وحدتِ امت کو پارہ پارہ کرنے سے ہمیشہ گریز کیا۔ یہ نظریاتی و فروعی اختلاف کبھی ان کے درمیان باہمی محبت اور احترام میں رکاوٹ نہ بنے۔ زندگی میں لڑائی جھگڑا، ایک دوسرے کی ذاتیات پر حملہ اور فریقِ مخالف کو نیچا دکھانے کے لیے گھٹیا ہتھکنڈے استعمال کرنا تو بہت دور کی بات ہے، وہ تو ایک دوسرے کی قبروں کا بھی احترام کرتے تھے۔ جبکہ ہم اِدھر تو ائمہ مجتہدین کی تقلید و پیروی کا دم بھرتے ہیں اور اُدھر ان کے طرزِ عمل کے خلاف بھی کرتے ہیں۔ آج دنیائے کفر ”الکفر ملة واحدة“ کا منظر پیش کر رہی ہے جبکہ عالمِ اسلام ”اتفقوا علی ان لایتفقوا“ کی تصویر بنا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں امتِ مسلمہ کو اتحاد کی جتنی اب ضرورت ہے شاید کبھی نہیں تھی۔

مذکورہ بالا معروضات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور ملتِ اسلامیہ کے درمیان وہی تعلق ہے جو جسم و روح کے درمیان ہے۔ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو آج ہم بھی العیاذ باللہ کفر کے اندھیرے میں بھٹک رہے ہوتے۔ آپ ﷺ نے ہی ہمیں کونین کی ہر قسم کی سعادتوں سے نوازا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے صحیح فرمایا تھا:

نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

شریعت سے طریقت تک کا سفر

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَّاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا۔

”اور یہ (وحی بھی میرے پاس آئی ہے) کہ اگر وہ طریقت (راہِ حق، طریقِ ذِکرِ اِلٰہی) پر قائم رہتے تو ہم انہیں بہت سے پانی کے ساتھ سیراب کرتے۔“(الجن،۷۲: ۱۶)

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے دو پہلوؤں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے:

۱۔ جہتِ استقامت ۲۔ جہتِ طریقت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان پہلوؤں کے نتیجے میں اپنی بارگاہ کی طرف سے ملنے رحمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر وہ طریقت پر گامزن رہتے تو ہم انہیں اپنی بارگاہ سے کثرت کے ساتھ رحمت، برکت، انعام واکرام اور اپنے فضل کی شکل میں اتنا کچھ عطا کر دیتے کہ ان کی توقع سے زیادہ ان کے من کی وادی سیراب ہوتی رہتی۔

طریقت کیا ہے؟ آیئے اس حوالے سے ائمہ اور صوفیا کے بعض اقوال کا مطالعہ کرتے ہیں:

☆ ابن العابدین شامی سے طریقت، شریعت اور حقیقت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

الطریقة سلوك طریق الشریعه والشریعة اعمال شریعة محدودة۔

طریقت سے مراد شریعت کے راستے پر چلنا ہے جبکہ وہ متعین اعمال اور احکامات جن سے حلال اور حرام ثابت ہوتے ہیں، ان احکامات پر استقامت کے ساتھ چلتے رہنے کا نام شریعت ہے۔ پھر فرمایا:

وھما والحقیقۃ ثلاثۃ متلازمۃ۔

شریعت، طریقت اور حقیقت یہ تینوں باہم لازم وملزوم ہیں۔ گویا شریعت اور طریقت کی نعمتوں کو اکٹھا کر لیا جائے تو اس سے حقیقت کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ پھر فرمایا:

لان طریقۃ الیہ تعالیٰ ظاھرٌ و باطن فظاھرھا الطریقۃ و باطنھا الحقیقہ۔

طریقت ایک ایسا راستہ ہے جس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ طریقت کا ظاہری راستہ اللہ رب العزت کی معرفت اور اس کی شریعت کی طرف لے جاتا ہے، اس کے احکامات اور اوامر و نواہی کی خبر دیتا ہے، اس کے نظام کے تابع ہونے کا طریقہ سکھاتا ہے، اس کی رضاجوئی میں حلال و حرام کے دائرے میں رہ کر زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے جبکہ طریقت کا باطن حقیقت ہے۔ (ابن عابدین شامی، ردالمختار علی الدر مختار، ۱: ۱۵۰)

معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات جن سے احکاماتِ شریعت اخذ ہوتے ہیں، اس راستے کو طریقت، شریعت اور حقیقت کہتے ہیں۔

☆ سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ سے طریقت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق و من تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق و من جمع بینھما فقد تحقق۔

جس نے تفقہ فی الدین تو حاصل کر لیا لیکن وہ متصوف نہ ہو سکا اور تصوف کی کیفیت، ماہیت اور تصوف کے دائرہ کار کو نہ سمجھ سکا اور نہ اپنی طبیعت میں اسے شامل کر سکا تو وہ فسق و فجور کے راستے پر چل پڑا اور جس نے صرف تصوف کا دامن تھاما اور تفقہ کو چھوڑ دیا وہ زندیق ہو گیا اور جس نے ان دونوں کے دامن کو اکٹھے تھامے رکھا اور انہیں اپنی ذات میں جمع کر لیا تو وہ حقیقت تک پہنچ گیا۔ (مرقاۃ المفاتیح، ملا علی قاری، ۱: ۴۷۸)

معلوم ہوا کہ طریقت سے ہی تصوف اخذ ہوتا ہے اور طریقت کے راستے پر استقامت کے ساتھ چلتے رہنے سے ہی تصوف کا دروازہ کھلتا ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں بھی اسی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ جس نے طریقت پر استقامت اختیار کیے ہوئے شریعت کا دامن بھی تھامے رکھا، اسلام کے ظاہری اصول پر بھی عمل پیرا ہوتا رہا اور اسلام کے پنہاں اور پوشیدہ پہلوؤں پر بھی عمل پیرا ہوتا رہا، اپنے ظاہر کو بھی شریعتِ محمدی ﷺ کے مطابق اور اس کی متابعت میں سنوارتا رہا، حرام سے بچتا رہا، حلال پر عمل پیرا رہا، متشابہات سے بھی اجتناب

کرتا رہا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو بجالانے میں اپنی زندگی بسر کرتا رہا اور اپنی زندگی کو تقویٰ و طہارت پر چلاتا رہا۔ المختصر یہ کہ سیرت نبوی ﷺ کے مطابق اپنی زندگی کے معاملات کو استقامت کے ساتھ اسی طرح چلاتا رہا کہ اس کے قدم متزلزل ہونے سے بھی بچے رہے بلکہ کسی شائبہ کا شکار ہونے سے بھی محفوظ رہے اور وہ اپنی طبیعت اور مزاج میں اس طرح کی جامعیت لے آیا تو اس پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور انوار و تجلیات اس طرح برسائیں گے کہ جیسے موسلا دھار بارش برستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی یہ بارش اس کے مردہ اور بنجر دل کی وادی کو زندگی عطا کرتی چلی جائے گی۔

بغیر رہبر و رہنما راہِ طریقت پر چلنا ناممکن ہے

طریقت کے رستے پر چلنے کے لیے رہنمائی کی ضرورت ہے کیونکہ طریقت کی منزل تک بغیر رہنمائی کے کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر شریعت کی بات کریں تو شریعت کے رستے پر چلنے کے لیے بھی نگرانی اور رہنمائی چاہیے، استاد اور شیخ چاہیے۔ جس طرح دنیوی علوم کے لیے ایک نظام وضع کر دیا گیا ہے کہ اس میں حسبِ ترتیب پرائمری، مڈل، میٹرک، انٹرمیڈیٹ، گریجوایشن، ماسٹرز، ایم فل اور Ph.D کی ڈگری حاصل کر سکتے ہیں، اسی طرح تمام شعبوں میں سپیشلائزیشن کا طریقہ کار وضع ہے، ان ڈگریوں کو حاصل کرنے اور اسپیشلائزیشن کرنے کے لیے باقاعدہ ادارے اور اساتذہ ہیں، جن کی رہنمائی کے بغیر یہ مراحل عبور کرنا ناممکن ہے۔ اسی طرح راہِ شریعت اور راہِ طریقت پر چلنے کے لیے بھی رہنمائی اشد ضروری ہے۔ شریعت کے مختلف علوم میں متخصص بننے کے لیے ایک رہنما، شیخ اور استاد ناگزیر ہے جو شریعت کے تمام امور کے متعلق طالب علم کو ہدایات سے نوازتا ہے۔ اسی طرح طریقت کے رستے پر چلنے کے لیے بھی باقاعدہ ایک نظم میں کسی شیخ، مربی اور مرشد کی رہنمائی کے ساتھ مراحل طے کرنا پڑتے ہیں۔

جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اور تعلیمات سے دنیوی اور شرعی علوم کا آغاز ہوا، اسی طرح طریقت اور تصوف کا آغاز بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے ہوا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (آل عمران، ۳: ۱۶۴)

”بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“

یتلوا علیھم آیاتہ (وہ ان پر میری آیات تلاوت کرتے ہیں) اس سے علوم القرآن، علم القرأۃ اور فن قرأت کے شعبہ کا آغاز ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ تلاوتِ قرآن کے ذریعے امت کو فیض یاب کر رہے ہیں، ہر آیت کے اندر پوشیدہ اسرار و رموز کی کیفیات بھی عطا کر رہے ہیں، ہر آیت کریمہ کے ظاہر اور باطن کا بھی فیض دے رہے ہیں، احکامات اور اوامر و نواہی سے بھی آگاہ کر رہے ہیں اور شریعت اور حقیقت کے اسرار و حکم سے بھی مستنیر کر رہے ہیں۔

ویزکیھم کے مقصدِ بعثت سے تزکیہ و تصفیہ اور تصوف و روحانیت کی تعلیم دینے اور اس علم کی بنیاد رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ جہاں ہمیں دیگر علوم کی طرف توجہ دینے اور انھیں سیکھنے کے لیے باقاعدہ ایک نظم اور طریقہ کار کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ہمیں تزکیہ کی طرف بھی متوجہ ہونے اور اسے بھی ایک طریقہ کار کے مطابق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں خود بہ خود تصوف کی سمجھ آجائے گی اور تزکیہ و تصوف بھی by default ہمیں مل جائے گا، ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن فرما رہا ہے کہ ویزکیھم حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ کرتے ہیں یعنی تمھارے باطن کو سنوارتے ہیں اور تمھارے اندر موجود کدورتوں، کینہ پروری، رزائل اور بری خصلتوں کو نکالتے چلے جاتے ہیں اور اچھی خصلتوں کو منتقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ اخلاق سیئہ کو اکھاڑتے چلے جاتے ہیں اور دل کی وادی میں اخلاقِ حسنہ کے پھول اگاتے چلے جاتے ہیں۔ گویا آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ فرمانے کے لیے باقاعدہ اہتمام کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دیگر علوم سیکھنے کے لیے اساتذہ، شیوخ، متخصصین اور محققین کی ضرورت ہے، اسی طرح تصوف کو سمجھنے، روحانیت کی راہ پر چلنے، قلب و روح کی کیفیات کو سمجھنے، باطنی احوال سے باخبر ہونے، وادیٔ زہد کا مسافر بننے اور تصفیہ و تزکیہ کے اسرار و حکم سے آگاہ ہونے اور انہیں اپنے وجود کا حصہ بنانے کے لیے بھی کسی شیخ و مربی اور متخصص کی ضرورت ہے۔

اولیاء اللہ زمین پر اللہ کے برتن ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان لِلّٰہ آنیۃ من اھل الارض۔ (مسند الشامیین، الطبرانی، ۲، ۱۹: ۸۴۰)

بلاشبہ اہلِ زمین سے بھی اللہ کے برتن ہوتے ہیں۔

ہمارے پاس بھی دنیا میں برتن ہیں جن کا حال یہ ہے کہ ایک وقت اگر ان میں کھانا کھالیں تو دوسری بار دھوئے بغیر اس میں کھانا نہیں ڈالتے۔ اس لیے کہ کھانا کھانے کے بعد اگر کچھ وقت کے

لیے برتن چھوڑ دیا جائے تو اس برتن میں بیکٹیریا اور جراثیم پھیل جاتے ہیں اور اگر برتن کو دھو لیا جائے تو وہ جراثیم سے پاک ہو جاتا ہے۔ پس جب ہم گندے برتن میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ڈالتے تو اللہ رب العزت کس طرح لغزشوں، گناہوں، نافرمانیوں سے لت پت ہمارے قلوب میں اپنا نور ڈالے گا۔ دل کی صفائی؛ تزکیہ، تصفیہ اور تقویٰ وطہارت سے ہوتی ہے۔

پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ کے برتن ہم سے بھی ہوتے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اہل زمین کے ہاں بھی اللہ کے برتن ہوتے ہیں: آنیة ربکم قلوب عبادہ الصالحین۔

درحقیقت اللہ کے صالحین اور تقویٰ شعار متقی لوگوں کے دل اللہ کے برتن ہوتے ہیں۔ یعنی ہم دنیوی پکوان بنا کر اپنے برتنوں میں ڈالتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ عالمِ ارواح کی خوراک اپنے اولیاء کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ پھر فرمایا:

واحبھا الیہ الینھا وارقھا۔

اس میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ برتن جس سے اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے، وہ سب سے زیادہ نرم اور شفقت والا دل ہے۔

معلوم ہوا کہ جو اللہ کے پیارے بندے ہوتے ہیں وہ نرم دل اور شفیق ہوتے ہیں، وہ رقت اور آہ و بکاء والے ہوتے ہیں، ان کی دکان میں سختی والا سودا ہوتا ہی نہیں۔ جن دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا برتن بنایا ہو، اس میں سختی اور تنگی آ ہی نہیں سکتی، اس لیے کہ اس میں تو نور ہی نور ہوتا ہے اور نور والوں کی تعریف یہ ہے کہ وہ نرم، کریم، لطیف اور ہمیشہ مسکراہٹ والے ہوتے ہیں۔ وہ چلتے پھرتے پیکرِ نور دکھائی دیتے ہیں:

وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ (الانعام، ٦: ١٢٢)

”ہم نے اس کے لیے (ایمان و معرفت کا) نور پیدا فرما دیا (اب) وہ اس کے ذریعے (بقیہ) لوگوں میں (بھی روشنی پھیلانے کے لیے) چلتا ہے۔“

ہمارا روزمرہ زندگی کا مشاہدہ ہے کہ ہر ایک کے پاس وہی چیز ہوتی ہے جس میں وہ صبح و شام رہتا اور جس چیز کی خرید و فروخت کرتا ہے۔ کسی کریانہ سٹور سے میڈیسن نہیں مل سکتی اور کسی قصاب کی دکان سے ہم کپڑے اور جوتے طلب نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر نور کی طلب ہے تو یہ اُن ہی کے پاس سے ملے گا جن کے برتنوں میں صبح و شام اللہ کی بارگاہ سے نور نازل ہوتا رہتا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتقوا فراسة المومن انه ینظر بنور اللہ۔ (سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، ٥: ٢٩٨، رقم: ٣١٢٧)

مومن کی فراست سے بچا کرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ یعنی مومن اسی شے سے دیکھتا ہے جو اس کے برتن (دل) میں موجود ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ رفیق یحب الرفق ویعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف ومالا یعطی علی ماسواہ۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الرفق)

”بے شک اللہ تعالیٰ بہت نرم اور لطیف ہے اور وہ نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ جو کچھ دیتا ہے، وہ سختی پر اور دیگر اشیا پر کبھی نہیں دیتا۔“

یہی وجہ ہے کہ اولیاء و صلحاء ہمیشہ لطیف، کریم، نرم دل اور آسانیاں اور محبتیں بانٹنے والے ہوتے ہیں۔ وہ کبھی کسی کو بددعا بھی نہیں دیتے۔ اس لیے کہ وہ زمین پر اللہ کے برتن ہوتے ہیں جو اللہ کے نور سے معمور ہوتے ہیں۔ ان برتنوں میں دوسروں کے لیے بددعا، نفرت اور حقارت ہوتی ہی نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ نرم دلی، محبت، رحمت، آسانی اور تحمل و برداشت کے پکوان ہوتے ہیں جنھیں وہ ہر ایک میں تقسیم کرتے رہے ہیں۔

ایک اللہ والے اپنے مریدین کے ہمراہ کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ اس کشتی میں نوجوانوں کا ایک گروہ بھی موجود تھا جو لہو و لعب میں مصروف تھا اور خوب شور و غل مچا رکھا تھا۔ مریدین سے برداشت نہ ہوا کہ انھیں ہمارے مرشد کی موجودگی کا حیا نہیں، چنانچہ انھوں نے عرض کی کہ حضرت آپ ان کے لیے بددعا کریں۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور ان نوجوانوں کے لیے بددعا کرنے کے بجائے فرمایا: اے مولا! جس طرح تو نے انھیں یہاں خوش رکھا ہے، آخرت میں بھی خوش رکھ۔

مریدین کہنے لگے کہ آپ نے بددعا کے بجائے دعا کیوں دی؟ فرمایا کہ میرے برتن میں تو بس یہی کچھ ہے، جو میرے پاس تھا، میں نے وہی دینا تھا۔ میں نے ان کے لیے یہ دعا اس لیے کی کہ آخرت میں وہی خوش ہوگا جو یہاں اس کا فرمانبردار ہوگا۔ بس میں نے اُن کے لیے اس دنیا میں اللہ کے فرمانبردار بن جانے کی دعا کی ہے۔

قرآن مجید ان رقیق القلب لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (الفرقان، ۲۵: ۶۳)

”اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔“

اولیاء و صلحاء دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرنے والے ہوتے ہیں

صوفی اور غیر صوفی میں فرق یہ ہے کہ غیر صوفی وہ ہے جسے نظر آجائے تو وہ چھپا نہیں سکتا اور بیان کر دیتا ہے جبکہ صوفی وہ ہے کہ اگر کچھ دیکھ بھی رہا ہو تب بھی آنکھیں ایسے بند کرتا ہے کہ جیسے نظر ہی نہیں آیا۔ غیر صوفی کا ہاضمہ کمزور ہوتا ہے۔ جس کا ہاضمہ کمزور ہو، وہ صوفی نہیں ہوتا۔ صوفیاء ہمیشہ مذکورہ آیت کی روشنی میں احتیاط کے ساتھ قدم رکھتے ہیں کہ کہیں میرے وجود سے کسی کو کوئی نقصان نہ ہو، کسی کا حق نہ مارا جائے اور کسی کا عیب اور برائی بیان نہ کروں۔ ان کی نظر اللہ کی ذات پر ہوتی ہے کہ وہ ستار العیوب ہے تو میں بھی اس کی اس صفت کا پرتو بن کر اس کے حکم پر عمل کروں، لہذا وہ اپنی زندگی دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کے لیے وقف کر دیتا ہے۔

کبار اولیاء میں سے حضرت سیدنا حاتم کا لقب ''الاصم'' تھا۔ اصم کا مطلب ''بہرہ'' ہے۔ آپ درحقیقت بہرے نہیں تھے مگر پردہ پوشی کے سبب خود ساختہ بہرے بن گئے تھے اور پھر اسی وصف کے سبب ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو گئے۔ اُن کے اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں ایک خاتون حاضر ہوئی پیٹ میں خرابی کے سبب اس کی ہوا خارج ہو گئی۔ عورت بڑی شرمندہ ہوئی کہ حضرت کی موجودگی میں ایسا ہو گیا۔ حضرت حاتمؒ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اس خاتون کو شرمندگی سے بچانے کے لیے اسی وقت ایسا اظہار کیا کہ جیسے وہ بہرے ہیں اور انھوں نے کچھ سنا ہی نہیں ہے۔ جب اس خاتون نے جان لیا کہ آپ بہرے ہیں تو اسے سکون و اطمینان ہو گیا کہ وہ حضرت کے سامنے شرمندگی سے بچ گئی۔ آپ نے اس واقعہ کے سبب ایک بار جو بہرہ ہونے کا اظہار کیا تو پھر ساری عمر اسی بہرے پن کی کیفیت میں گزار دی۔

اولیاء کرام کی ان ہی تعلیمات اور عمل سے تصوف و روحانیت کا اصل مفہوم سامنے آتا ہے۔

تصوف؛ اخلاقِ کریمانہ اور مخلوق سے بے نیازی کا نام ہے

☆ حضرت محمد بن علیؒ سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

التصوف اخلاق کریمۃ ظھرت فی زمان کریم من رجل کریم مع قوم کرام۔ (ابن القیم، مدارج السالکین، ۳: ۱۸۱)

تصوف وہ کریمانہ اخلاق ہے جو کریم زمانے میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔

کریم؛ شرف و بزرگی اور عظمت والے کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ عظمت والا بزرگ وہی ہو گا جس

کا اخلاق بھی عظیم ہو گا۔ جسے اپنے آپ کو بزرگ کہلوانے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ لوگ اس کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر اس کی عظمت اور بزرگی کو جان لیں۔

☆ حضرت معروف کرخیؒ سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

التصوف هو الاخذ بالحقائق واليأس مما في ايد الخلائق۔ (الرسالۃ القشیریہ، ص: ۴۴۱)

حقائق کو ماننے اور مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، اس سے بے نیازی اختیار کرنے کا نام تصوف ہے۔

☆ شیخ ابو جریر سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

الدخول في كل خلق سني والخروج من كل خلق دني۔

(الرسالۃ القشیریہ: ۴۴۱)

ہر اعلیٰ اخلاق کو اپنے اندر داخل کرنا اور ہر ادنیٰ اور رذیل اخلاق کو اپنی طبیعت سے نکالنے کا نام تصوف ہے۔

سمجھانا یہ مقصود ہے کہ اگر تصوف کی حقیقت جاننا چاہتے ہیں تو جان لیں کہ تصوف و روحانیت پر کاربند لوگ ہمہ وقت الذین یمشون علی الارض ھونا کے مصداق احتیاط کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں کہ کہیں کوئی قدم غلط نہ اٹھ جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کبار اولیاء کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تصوف و روحانیت کا عملی پیکر بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن

کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128
0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740
Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

تصوف اور تعلیماتِ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

سلطان الاولیاء، زبدۃ العارفین، امام العاشقین حضور سیدنا غوث الاعظم الشیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر الجیلانی البغدادی الحسنی والحسینی رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت یکم رمضان المبارک 470 ہجری بمطابق 23 مارچ 1075ء کو گیلان شہر میں ہوئی جو اس وقت سلجوق سلطنت کا حصہ تھا۔ اوائل عمری کا بیشتر زمانہ آپ نے گیلان میں گزارا۔ جب آپ کی عمر مبارک 18 سے 20 سال کے درمیان تھی تو آپ نے مزید تعلیم کے حصول کے لیے بغداد کی طرف سفر فرمایا۔ یہاں جن عظیم اساتذہ کرام سے آپ کو نسبتِ تلمذ اور نسبتِ فیض حاصل ہوئی، ان میں؛ حضرت ابو سعید مبارک المخزومیؒ، حضرت شیخ ابن عاقلؒ اور حضرت شیخ ابو الخیر حماد بن مسلم الدباسؒ نہایت معروف ہیں۔ حضرت ابو سعید مبارک المخزومی اور حضرت شیخ ابو الخیر حماد بن مسلم دباسؒ آپ کے مشائخ اور سلسلۂ فیض میں سے بھی تھے۔

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ طریق جنیدیہ سے وابستہ تھے اور اسی طریق سے فیض پایا۔ محققین و علماء کا اتفاق ہے کہ حضور غوث الاعظمؓ کو اللہ تعالیٰ نے غوثیت کے رتبے پر فائز فرمانے کے علاوہ اپنی صدی میں مجددیت بھی عطا فرمائی تھی، اسی لیے آپ کے القاب میں سے ایک لقب محی الدین بھی ہے۔ علمی، دینی اور فقہی تعلیم بغداد شریف سے مکمل فرمانے کے بعد آپ نے کم و بیش 20 سے 25 سال صحرا

نوردی اور مجاہدے میں گزارے۔ اس کے بعد آپ نے مسندِ تعلیم وتدریس سنبھالی اور لوگوں میں رشد وہدایت عام فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ گویا آپ نے زندگی کا پہلا حصہ تعلیم کے حصول میں گزارا، دوسرا حصہ ریاضت و مجاہدہ میں گزارا اور تیسرا حصہ لوگوں میں علم اور روحانیت کے فیض کو تقسیم کرنے میں بسر فرمایا۔ آپ نے 91 سال کی عمر مبارک پائی اور آپ کا وصال 11 ربیع الثانی 561 ہجری بمطابق 21 فروری 1146ء کو بغداد میں ہوا۔

متعدد تصانیف وکتب آپ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ نے لکھیں یا آپ کے ملفوظات عالیہ کو آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ نے جمع فرمایا اور بعد ازں طبع ہوئیں۔ آپ کی معروف تصانیف میں سر الاسرار، غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، فتح الربانی شامل ہیں، جن سے علماء وصوفیاء اور اساتذہ و تلامذہ استفادہ کرتے چلے آئے ہیں اور یہ تصوف کے اصول و معارف کا منبع و سرچشمہ ہیں۔ آپ کی کئی کتب ایسی ہیں جو مخطوطات کی شکل میں کچھ علاقوں میں موجود رہیں مگر طبع ہو کر لوگوں تک نہ پہنچ پائیں۔ ان میں ایک مخطوطہ ''خمسة عشر مكتوبان الجيلانی'' (حضور غوث الاعظم کے پندرہ خطوط) ہے۔ اہل اللہ روحانیت کا سفر طے کرتے کرتے جب کچھ منازل تک پہنچ جاتے ہیں تو انھیں کچھ کیفیات نصیب ہوتی ہیں، حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ان کیفیات کا تذکرہ ان خطوط میں کیا ہے۔ یہ خطوط فارسی زبان میں لکھے گئے۔ ان خطوط کے اصل مخطوطے چار ہیں جن میں سے ایک مخطوطہ آج بھی جرمنی کی معروف لائبریری میں ہے۔ ایک مخطوطہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے، ایک مخطوطہ کنگ سعود یونیورسٹی سعودی عرب میں ہے اور ایک مخطوطہ ترکی میں ہے۔

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ تصنیفات میں سے چند تعلیمات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

ا۔ تصوف کیا ہے؟

تصوف کے معنی و مفہوم کو علماء، عرفا اور سلف صالحین نے اپنے اپنے طور پر خوب بیان کیا ہے مگر حضور غوث الاعظم نے تصوف کے مفہوم کو جس منفرد انداز میں واضح کیا ہے، وہ آپ ہی کی شان ہے۔ ذیل میں تصوف کی تعریف میں ارشاد فرمائے گئے آپ کے کلمات ملاحظہ ہوں:

(ا) لفظِ تصوف کی ''ت'' سے مراد ظاہری و باطنی توبہ ہے

حضور سیدنا غوث الاعظم تصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ تصوف کے چار حروف؛ ''ت''، ''ص''، ''و'' اور ''ف'' ہیں۔ اگر تصوف کو سمجھنا ہو تو تصوف کا مکمل معنی ان چار حروف میں پوشیدہ ہے۔ لفظ تصوف کے پہلے حرف ''ت'' سے مراد توبہ ہے۔ توبہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ظاہری توبہ ۲۔ باطنی توبہ

۱۔ ظاہری توبہ یہ ہے کہ انسان اپنے ظاہری اعضاء؛ ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ، کان وغیرہ کو اللہ رب العزت کی نافرمانی اور گناہ کے امور سے روک لے۔ یعنی اس کا جسم اور اس کا ظاہر گناہ کے کسی بھی عمل اور نافرمانی میں داخل نہ ہو۔

۲۔ باطنی توبہ سے مراد ہے کہ انسان کا باطن بھی گناہ کے خیال سے توبہ کرلے۔ انسان کا باطن کدورتوں، نہ نظر آنے والے گناہوں، فریب، لالچ، جھوٹ، انا، تکبر، ریا، حسد، کینہ، غصہ، بغض، چغلی اور ان جیسے دیگر رذائل سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور انسان کا باطن صبح و شام اللہ کی نافرمانی میں مصروف رہتا ہے اور اللہ کے احکام کی بجاآوری میں سستی اور کاہلی کا مرتکب ہوتا ہے۔ تصوف کی ''ت'' سالک کو ان باطنی رذائل سے بھی توبہ کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ گویا انسان کا ظاہر بھی توبہ کرلے اور اس کا باطن بھی توبہ کرلے تو تصوف کے سفر کا آغاز ہو جاتا ہے۔

(۲) لفظِ تصوف کے ''ص'' سے مراد صفائے قلب ہے

حضور غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ جب ظاہر و باطن دونوں کی توبہ مکمل ہو جائے گی اور سالک تصوف کی 'ت' کا مقام عبور کرلیتا ہے تو پھر وہ لفظِ تصوف کے دوسرے حرف 'ص' کے مقام میں داخل ہوتا ہے۔ اس ''ص'' سے مراد صفا (صفائی) ہے۔ یہ صفائی دو طرح کی ہے:

۱۔ صفائے قلب ۲۔ صفائے سِر

۱۔ صفائے قلب یہ ہے کہ انسان کے دل کے اندر موجود کدورتیں، خواہشاتِ نفسانی، مال کی خواہش اور شہوات (حد سے بڑھ جانے والی خواہشات) جب بندے کو خدا کی بندگی بھی چھوڑنے پر مجبور کردے، اسے اپنے اندر فنا کرلے اور ان کی محبت اتنی بڑھ جائے کہ وہ بندے کو ناجائز کام کروانے پر آمادہ کردے تو یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن کی صفائی ضروری ہے۔ گھر بار اور اولاد کی محبت ایک جائز محبت ہے، یہ محبت صرف اسی قدر کافی ہے کہ جینے کے قابل سامان کرلیں لیکن اگر یہ محبت اتنا فنا اور گم کردے کہ حلال و حرام کی تمیز بھی ختم ہو جائے تو پھر یہ اس قابل ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔

۲۔ صفائے قلب کے بعد صفائے سِر کا مرحلہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ سِر کی صفائی یہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کے سوا ہر شے سے محبت چھوڑ دے یعنی دل میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا بسیرا ہو۔ صفائے قلب تو یہ تھا کہ قلب میں جائز خواہش رہ جائے اور ہر ناجائز خواہش چلی جائے لیکن سِر کی صفائی یہ ہے کہ اب ہر جائز خواہش بھی چلی جائے اور فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور دینِ اسلام کی محبت، رغبت اور چاہت باقی رہ جائے، باقی ہر شے چلی جائے۔ جب بندہ اس کیفیت

اور درجے کو پہنچ جائے تو اسے سِر کی صفائی نصیب ہو جاتی ہے۔ قلب کو صفائی تب نصیب ہو گئی تھی، جب ناجائز خواہشات چھوڑ دی تھیں اور سِر کو صفائی اس وقت نصیب ہو جائے گی جب جائز خواہشات بھی انسان اس مالکِ حقیقی کی خاطر چھوڑ دیتا ہے۔

صفائے قلب و سِر کیسے نصیب ہو اور یہ منزل کیسے ملتی ہے؟ اس حوالے سے حضور سیدنا غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ صفائے قلب و سِر دو طریقوں سے نصیب ہوتا ہے:

۱۔ کثرتِ ذکرِ الٰہی **۲۔ صحبتِ عرفا و صلحاء**

۱۔ ذکرِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ انسان کی زبان اور عمل بھی ہر وقت ذکرِ الٰہی کا نمونہ بنا رہے اور اس کا دل اللہ کی یاد میں گم رہے۔ اس کیفیت سے اُسے صفائے قلب و سِر حاصل ہو جائے گا۔

۲۔ صفائے قلب و سِر کے حصول کا دوسرا ذریعہ عرفا کی صحبت ہے۔ ذکرِ الٰہی نے بندے کے باطن میں اللہ اور اس کی یاد کے حسین نقش و نگار بنائے تھے، عرفا اور صلحا ان رنگوں اور نقش و نگار کو پختہ کر دیتے ہیں اور باطن میں نہ مٹنے والا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔ وہ بندے کے باطن کو اُجلا کر دیتے ہیں اور باطن میں موجود شہوات و رذائل کو ختم کر دیتے ہیں۔

(۳) لفظ تصوف کی ''واؤ'' سے مراد ولایت ہے

حضور غوث الاعظم ارشاد فرماتے ہیں کہ لفظ تصوف کی ''و'' سے مراد ولایت ہے۔ تصوف کی راہ کا آغاز ظاہری اور باطنی توبہ سے ہے۔ اس کے بعد صفائے قلب و سِر کا مرحلہ ہے۔ جب یہ دونوں امور نصیب ہو جائیں تو پھر تیسرے درجے پر انسان اس راہ پر چلتا ہوا ولایت کی وادی میں قدم رکھتا ہے۔

ولایت کی حقیقت واضح کرتے ہوئے حضور غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ ولایت یعنی اللہ کی دوستی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انسان اپنی بشری صفات کا لبادہ کاملاً ترک کر دے اور رحمانی صفات کا لبادہ اوڑھ لے۔ انسان کا اپنی تمام بشری خصلتوں کو ترک کر دینا ولایت ہے۔ بندے کو تصوف کے ابتدائی مراحل میں ظاہری و باطنی توبہ تو پہلے ہی نصیب ہو چکی تھی اور جسم کے ظاہری اعضاء توبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رک گئے تھے۔ تمام بری خصلتیں صفائے قلب کے مرحلہ میں جاتی رہیں۔ اب عمومی جائز خصلتیں بھی جو انسان کے جسم سے وابستہ ہوتی ہیں، اس مرحلہ میں انسان انھیں بھی چھوڑ دیتا ہے اور رحمانی صفات و خصائل کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ اب وہ سب سے محبت کرتا ہے۔۔۔ سب کو احترام دیتا ہے۔۔۔ اسی نگاہ سے لوگوں کو دیکھتا ہے جیسے مالک اپنی مخلوق کو دیکھتا ہے۔۔۔ وہ بغیر کسی تفریق اور تخصیص کے سب کو برابر دیتا ہے۔۔۔ سب کی حاجات روائی کرتا ہے۔۔۔ سب کے لیے درد مند رہتا ہے اور لوگوں کی تکالیف کو دور کرنے کی طرف متوجہ رہتا

ہے۔۔۔ وہ لوگوں کا خیر خواہ رہتا ہے اور لوگوں پر تکلیف کا آنا اپنے اوپر ناگوار سمجھتا ہے۔۔۔ الغرض پوری مخلوق کے لیے شفقت و رحمت اور محبت کا پیکر بنا رہتا ہے۔

بندہ جوں جوں یہ روحانی خصلتیں کاملاً اپناتا چلا جاتا ہے اور اپنی تمام خصلتوں کو رحمانی خصلتوں میں رنگتا چلا جاتا ہے، توں توں ولایت میں اس کا مقام بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جب بندے کی تمام خصلتیں بدل چکی ہوں اور اس میں کوئی بشری اور انسانی خصلت و رنگ باقی نہ رہے تو اللہ تعالیٰ ولایت میں اسے اتنی ہی بلندی عطا فرما دیتا ہے۔

حضور غوث الاعظم مقام ولایت کی اس مذکورہ تعریف کی دلیل اس حدیث قدسی سے دیتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ ' فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ ' وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ ' وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا ' وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا ' وَلَئِنْ سَاَلَنِيْ لَاُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَاُعِيْذَنَّهٗ۔ (متفق علیہ)

بندہ نوافل کے ذریعے سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں. پس جب میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرتا ہے تو ضرور اُسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو ضرور پناہ دیتا ہوں۔

اس طرح بندے کے تمام افعال اور صفات پر اللہ تعالیٰ کا رنگ چڑھتا چلا جاتا ہے۔

(۴) لفظ تصوف کی ''ف'' سے مراد فنا فی اللہ ہے

حضور غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ تصوف کا چوتھا حرف 'ف' ہے۔ اس سے مراد فنا فی اللہ ہے کہ جب انسان ولایت کی وادی میں اپنا سفر جاری رکھتا ہے تو پھر اس سفر میں ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ جہاں پر اسے کامل فنا نصیب ہو جاتی ہے۔ مقامِ ولایت تک پہنچتے پہنچتے بندے نے اپنی صفات کو فنا کیا تھا لیکن ابھی اس کی ذات باقی تھی۔ اس مرحلہ میں اب اس کی ذات بھی فنا ہو جاتی ہے۔ اب اس کی صفات بھی اپنی نہ رہیں اور وجود اور شعور بھی اپنا نہ رہا۔ یعنی وہ کاملاً فانی ہو جاتا ہے۔ یہ تصوف کی انتہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب بندہ اپنے وجود، شعور، ہوش اور اپنی صفات سے فنا ہو جاتا ہے تو پھر باقی کا سِر باقی رہ جاتا ہے۔ باقی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انسان پھر اس باقی کے سِر کے ذریعے زندہ رہتا ہے یعنی پھر اس سِرِ باقی کے ذریعے اسے بقا نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی ادا، کلام اور ہر بات باقی ہو جاتی ہے اور

ہزاروں سال بعد بھی اس کی اداؤں اور باتوں کا تذکرہ جاری رہتا ہے۔

آج ہزار سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی حضور غوث الاعظمؓ کے کلام کے تذکرے ہو رہے ہیں، ان کی اداؤں کے تذکرے ہو رہے ہیں اور ان کی ہر ہر ادا اور عمل تاریخ اور عشاق کے سینوں میں محفوظ ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ فانی ہو کر باقی ہو گئے تھے اور باقی کی ہر شے اور کلام بھی باقی ہو جاتا ہے۔ فانی کی ہر شے زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے لیکن باقی لوگوں کی تحریریں بھی باقی رہتی ہیں اور ان کے کلام اور نصیحتیں بھی باقی رہتی ہیں۔

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تصوف کی مذکورہ جامع تعریف اور وضاحت کے بعد ایک اہم نکتہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف کو اپنی ذاتی تعریفات کے آئینے میں نہ سمجھا کرو۔ اپنی عقل کے مطابق کی گئی تعریف جو خود تمہیں سمجھ آئے، اس کی روشنی میں تصوف اور اہلِ تصوف کو سمجھنے کی کوشش نہ کیا کرو۔ اس لیے کہ جب انسان اپنی عقل کے مطابق تصوف کی تعریف کرتا ہے تو اپنے خاص نظریے سے سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ گویا آپ واضح کر رہے ہیں کہ تصوف اور اہلِ تصوف کو سمجھنا اور دیکھنا مقصود ہو تو لفظ تصوف کے حروف (ت، ص، و، ف) کے تحت جو ظاہری و باطنی اسرار و حکم بیان کیے ہیں، اسی کو پیمانہ بناؤ۔ جو اپنے ظاہر و باطن میں ان صفات کا عکاس ہو، وہی اصل صوفی ہے اور وہی طریق در حقیقت تصوف ہے۔

۲۔ سالک کے لیے ایصال الی المطلوب کا لائحہ عمل

حضور غوث الاعظمؓ نے دس نصیحتیں ارشاد فرمائیں کہ اگر کوئی بندہ تصوف کے راستے پر چلنا چاہتا ہے تو پھر اس کے لیے لازم ہے کہ وہ درج ذیل دس خصلتیں اپنا لے اور ہمیشہ ان خصلتوں کا دامن ہاتھ میں پکڑے رکھے:

۱۔ کسی بھی حالت میں اللہ کی قسم نہ کھائی جائے۔ خواہ تم سچے ہو یا جھوٹے۔ خواہ کتنی بڑی آزمائش بھی تمھارے سامنے کیوں نہ آجائے، اللہ کی قسم کھانے سے اجتناب کرو۔

۲۔ دروغ گوئی یعنی جھوٹ بولنے سے ہمیشہ اجتناب کرو۔ جھوٹ نہ کبھی سنجیدگی میں بولو اور نہ کبھی مزاحاً۔ اگر تم تصوف کے راستے پر چلنا چاہتے ہو تو پھر جھوٹ کو ہمیشہ کلیتاً اپنی زندگی سے نکال پھینکو۔ یعنی انجام سے ڈرے بغیر جھوٹ کو زندگی سے نکال دو۔ ہمارے ہاں مبالغہ آرائی کا عنصر بہت حد تک پایا جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ مبالغہ آرائی بھی جھوٹ میں ہی آتی ہے۔ یعنی دس فیصد اصل بات ہے تو اس میں دس فیصد اضافہ کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ گویا سالک تصوف کے راستے پر چل ہی نہیں

سکتا، اگر اس کی زندگی جھوٹ اور مبالغہ آرائی سے پاک اور خالی نہ ہو۔ جو بندہ ظاہری اعمال سے اپنے اندر جھوٹ اور مبالغہ آرائی داخل کرتا چلا جائے گا، اسے تصوف کی راہ نصیب نہیں ہو گی۔

۳۔ کبھی زندگی میں وعدہ خلافی نہ کرو۔ اگر کسی سے کوئی بات کہہ دی ہے تو ہر حال میں اسے پورا کرو سوائے اس کے کہ یاد نہ رہے۔ اس پر تو اللہ کے حضور گرفت نہیں ہے لیکن اگر یاداشت میں ہے تو ارادتاً کبھی وعدہ خلافی نہ کریں۔

۴۔ کبھی کسی کو لعنت نہ کی جائے۔ چاہے کسی نے تمہیں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچائی ہو، تمھاری زبان سے اس کے لیے لعنت کا لفظ نہیں نکلنا چاہیے۔ یاد رکھیں کہ لعنت صرف لفظ لعنت سے نہیں ہوتی بلکہ اس سے ملتے جلتے کئی الفاظ ایسے ہیں جن کا ہم عموماً استعمال کر دیتے ہیں، ان سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

۵۔ کبھی کسی کے لیے بددعا نہ کرو، چاہے وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو۔

۶۔ کوئی بھی ایسا شخص جو تمہاری طرح قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتا ہے اس کو کبھی کافر یا منافق نہ کہنا۔ یعنی اگر تم اللہ کی راہ کے مسافر ہونا چاہتے ہو تو یہ نہ دیکھو کہ نماز پڑھنے والا ہاتھ کہاں باندھتا ہے، کیسے باندھتا ہے، بلکہ جو بھی نماز ادا کرتا ہے، اسے کافر یا منافق نہ کہیں۔

۷۔ جو چیز گناہ کی موجب ہو چاہے وہ ارادہ ہو، نظر ہو یا بات ہو یا تمھارا کسی جگہ پر جانا ہو، ہر اس شے کو ترک کر دو۔ چونکہ تمھیں پتہ ہے کہ فلاں جگہ پر جانا میرے لیے گناہ کی ترغیب کا سبب ہے، فلاں صحبت مجھے گناہ پر آمادہ کرتی ہے یا فلاں صحبت میری نگاہ و سماعت اور سوچ کو پاک نہیں رہنے دیتی بلکہ گنہگار کرتی ہے تو اسے یکسر چھوڑ دو اور توبہ کر لو۔ حتیٰ کہ دل میں گناہ کا خیال بھی آئے تو وہاں جانے سے رک جاؤ۔

۸۔ مخلوقات میں سے ہر وہ شے جسے اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے، اس کے آگے کبھی ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ یعنی اپنی ضرورت مندی کا دست کسی کے آگے دراز نہ کرو بلکہ ہمیشہ اپنا حاجت روا اپنے رب کو جانو۔

۹۔ لوگوں سے کسی بھی چیز کی تمنا نہ رکھنا۔ یعنی کوئی بھی بہتر سے بہتر شے کسی کے پاس دیکھ لو، چاہے مال و دولت ہو، گھر ہو، عہدہ و رتبہ ہو، شہرت ہو، سواری ہو، الغرض کسی کے پاس کوئی بھی اچھی چیز دیکھو تو اپنے دل میں اس کی تمنا پیدا نہ کرنا۔ اس خیال پر بھی نگران رہنا کہ کسی دوسرے کی شے کو دیکھ کر کبھی دل میں طمع پیدا نہ ہو۔

۱۰۔ اچھے اعمال کا کامل نمونہ بن کر اس دنیا میں رہو۔ تکبر، رعونت، غصہ اور ایسا خیال جو آپ کو دوسروں سے منفرد اور ممتاز اور جدا خیال کرواتا ہو، ہر ایسے خیال کو اپنی زندگی سے نکال دو اور ایسے نکالو کہ پھر اس کا وجود اور اس کے اثرات بھی باقی نہ رہیں۔

حضور غوث الاعظم نے مذکورہ دس امور کی طرف توجہ مبذول کروانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا کر لیا تو پھر تم صحیح راہ کے مسافر ہو اور اگر یہ دس باتیں تمھاری زندگی میں داخل نہیں ہوتیں تو پھر تم تصوف کی راہ کے صحیح مسافر نہیں ہو سکتے۔

۳۔ محبت کیا ہے؟

حضور سیدنا غوث الاعظم نے اپنے خطوط میں محبت کے متعلق فرمایا: ہائے افسوس! تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو مگر اپنا دل اوروں کے لیے بھی کھلا رکھتے ہو۔ پھر فرماتے ہیں کہ وہ مجنوں جو لیلیٰ کے عشق میں گرفتار تھا، وہ اپنی محبت میں بڑا سچا تھا۔ ایک روز کسی نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ کہا: لیلیٰ کے پاس سے آرہا ہوں۔ پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ کہا: لیلیٰ کے پاس جارہا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی محبت میں کیسا سچا تھا کہ اس کا آنا اور جانا دونوں منزلیں لیلیٰ تھی اور ایک ہم ہیں کہ محبت کا دعویٰ اللہ سے کرتے ہیں لیکن ہماری منزل اور توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں رہتی۔

اس موقع پر حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ جو قرآن مجید میں آیا ہے، اسے بیان کر کے اس سے استدلال کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا کہ

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ۔ (القصص، ۲۸: ۱۲)

”اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ (علیہ السلام) پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا سو (موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے) کہا: کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی نشاندہی کروں جو تمہارے لیے اس (بچے) کی پرورش کر دیں اور وہ اس کے خیر خواہ (بھی) ہوں۔“

اس واقعہ کا پسِ منظر یہ ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ کو ٹوکری کے اندر ڈال کر دریا میں بہا دیا تو یہ ٹوکری فرعون کے محل کے قریب جا پہنچی۔ جہاں حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں جا پہنچے۔ جب حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی رضاعت کے لیے بہت سی عورتوں کو جمع کیا تاکہ وہ آپ علیہ السلام کو دودھ پلائیں مگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دریا میں بہتی ٹوکری کے ساتھ ساتھ آپ کی ہمشیرہ بھی کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے محل تک پہنچ گئی تھیں۔ جب انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رضاعت والا معاملہ دیکھا تو کہا کہ کیا میں تمھیں ایک گھر کا پتہ نہ دوں کہ جو اس کی صحیح پرورش بھی کرے گا اور وہاں اس کے لیے ساری خیر ہو جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ہی گھر کا پتہ دیا اور یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانا نصیب ہوا۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تو تمام رضاعی خواتین کا دودھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر حرام کر دیا تھا، اس لیے کہ رضاعت ایک ہی جگہ سے ہونی ہے۔

محبت کی وضاحت میں اس آیت کا اندراج کرنے سے حضور غوث الاعظم کی نگاہ ولایت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے کس پیارے انداز سے اس آیت مبارکہ کا حوالہ پیش کیا اور فرمایا کہ محبت تو ایسے ہوتی ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوئی تھی کہ ان کی سیرابی اور خیر کسی اور راستے اور نسبت سے نہیں بلکہ ایک جگہ سے مقرر پائی تھی۔ اسی طرح جب کوئی عاشق ہو جائے اور مولا کی راہ کا مسافر ہو جائے تو پھر ہر جگہ اور ہر راہ سے اس کی سیرابی حرام ہو جائے اور وہ اپنے لیے فقط ایک دروازہ کھلا رکھے اور وہ مولا کا دروازہ ہو۔۔۔ عطا کا ایک ہی دروازہ اس پر حلال ہو اور وہ مولا کا دروازہ ہو۔۔۔ اس کے لیے خیرات، انعام، عطا اور انوار و تجلیات کی فقط ایک بارگاہ باقی رہے اور وہ بارگاہِ حقیقت ہے۔۔۔ اگر اسے خوراک چاہیے تو مولا سے مانگے۔۔۔ اور مولا کے سوا دنیا کے تمام اسباب کو اپنے اوپر حرام جانے۔۔۔ دنیا کی ہر سفارش، ہر نسبت اور دنیا کے ہر در کے آگے جھکنے کو حرام جانے۔۔۔ اور فقط مولا کی بارگاہ کے آگے جھکنا حلال سمجھے۔ انسان اگر محبت میں ایسا ہو جائے، تب وہ راہِ تصوف و سلوک کا مسافر کہلانے کا حقدار ٹھہرے گا۔

۴۔ اطاعت، یقین، توکل اور صبر و شکر

سیدنا غوث الاعظم دینِ اسلام کی مختلف تعلیمات کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اے نوجوان! اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور اسلام کی حقیقت اطاعت ہے۔ صرف اطاعت کرنا سیکھو پھر اس اطاعت میں اپنی عقل کے گھوڑے نہ دوڑاؤ بلکہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مل جائے تو اس کی اطاعت بجالاؤ۔ پہلے اسلام کی حالت میں پہنچو، پھر مطیع ہو جاؤ اور اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرو۔ یعنی پہلے اپنے ظاہر کو جھکانا سیکھو، تب اطاعت کے ذریعے اپنے باطن کو پاک کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔

☆ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے نظام و انتظام پر اپنے آپ کو مطمئن اور راضی کر لو اور کبھی اپنے باطن کی کیفیت کو اللہ رب العزت کے نظام و انتظام کے خلاف نہ جانے دو بلکہ ایسا خیال بھی تمھارے اندر پیدا نہ ہونے پائے کہ تم اس کی تقدیر کے خلاف اپنے باطن کو آمادہ کر لو۔

☆ فرماتے ہیں کہ یقین کی کیفیات سے اپنے ایمان کو آراستہ کر لو، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمھیں توکل عطا فرما دے گا۔

☆ فرماتے ہیں کہ اے صبر کی تلقین کرنے والے! ہائے افسوس کہ تو صبر کی تلقین تو کرتا ہے جبکہ خود کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔۔۔ ہائے افسوس! تو شکر گزار رہنے کی تلقین لوگوں کو تو کرتا ہے مگر

خود اللہ کا شکر گزار نہیں ہے۔۔۔ہائے افسوس! تو لوگوں کو اللہ کی رضا میں راضی رہنے کی تلقین تو کرتا ہے جبکہ تو خود اللہ کی رضا پر راضی نہیں رہتا۔۔۔ تو اللہ پہ بھروسہ رکھنے کی تلقین تو کرتا ہے مگر خود مشکل حالات سے گھبرا جاتا ہے۔۔۔ تو لوگوں کو سچ بولنے کی تلقین تو کرتا ہے جبکہ خود سچ نہیں بولتا۔

۵۔ حاجت روائی

لوگوں کی مدد اور غریب پروری کے حوالے سے حضور غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ قسمت کے مارے غریب لوگ جب تمھارے دروازے پر قرض مانگنے آجائیں تو آگے بڑھ کر ان کی حاجت روائی کر دیا کرو کیونکہ کوئی غریب اپنی عزتِ نفس کو کچل کر تمھارے سامنے قرض مانگنے آتا ہے تو اس کی حاجت روائی کر دو۔ جب اس کو قرض دے چکو تو پھر اس قرض کا تقاضا کرنے اس کے گھر نہ پہنچ جایا کرو بلکہ اگر وہ کافی عرصہ تک تمھارا قرض نہ لوٹا رہا ہو تو اس کے گھر اس لیے جاؤ کہ وہاں یہ کہو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے تمہارا قرض معاف کر دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ تمھیں دو اجر دے گا: ایک اجر ضرورت مند کو قرض دینے کا کہ اس کی حاجت پوری ہوئی اور دوسرا اجر مقروض کے ذہن سے قرض ادا کرنے کی تکلیف دور کرنے پر ملے گا۔

لوگوں کے قرض معاف کرنے اور اُن کی حاجت روائی کی تلقین کرتے ہوئے حضور غوث الاعظم ایک حدیث مبارک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

”کسی کے دروازے پر مانگنے آنے والا، اللہ کی طرف سے اس بندے کے لیے تحفہ ہوا کرتا ہے۔“

اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ وہ تحفہ کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کتنا کریم ہے کہ وہ دنیا میں تم سے لے کر آخرت میں تمھارے لیے پسِ انداز یعنی جمع کر رہا ہے، جہاں تمھیں بہت ضرورت پڑنے والی ہے۔ اس لیے جب کوئی تم سے مدد مانگنے آئے تو تم اس بندے کو اللہ کی طرف سے دیا ہوا تحفہ سمجھو۔

۶۔ عاجزی وانکساری، التجا و دعا اور صحبتِ صلحاء

حضور غوث الاعظم کے خطوط میں سے دو امور بہت اہم ہیں:

۱۔ اللہ کے حضور عجز وانکساری کا پیکر بننا

۲۔ ہجر و فراق میں گڑگڑا کر اللہ کے حضور التجا اور دعا کرنا

آپ فرماتے ہیں کہ اے عزیز! اگر تم اشد ضرورت کی پیشانی کو بے بسی کی زمین پر نہیں رکھتے اور آنکھوں کے بادلوں سے عرقِ ندامت کی بارش نہیں برساتے تو زندگی کے چمن میں تمھاری خوشی کے پودے کبھی سرسبز نہیں ہوں گے اور امیدوں کے نخلستان تمھاری مرضی کے مطابق نہیں پھلے پھولیں گے۔۔۔ صبر کی شاخیں، قناعت کے پتوں اور روحانی اتصال کے خوشبودار پھلوں سے نہیں لدیں گے۔۔۔ تم اپنے مولیٰ کے قرب کے ثمر سے باریاب نہ ہو پاؤ گے۔

تم اگر ہجر و فراق اور ندامت میں اپنے آپ کو آنسو بہانے والا نہیں پاتے، راتوں کو گریہ وزاری کرنے والا نہیں پاتے، اور اپنے آپ کو اللہ کے حضور التجا کرتے ہوئے عجز وانکساری کا پیکر نہیں پاتے، خستہ حال اور کمزور و گرا ہوا نہیں پاتے تو سمجھو کہ تمھیں تمھاری مراد نہیں ملے گی۔ جب بھی اس کے

آگے دستِ دعا دراز کرتے ہو تو تمھارا ذہن خیالوں میں بھٹکا ہوا ہوتا ہے اور تم خود کو بکھرا ہوا، ٹوٹا ہوا اور کمزور نہیں پاتے تو اس کا مطلب ہے تمھیں تمہاری مراد نہیں ملے گی۔ اس لیے کہ اس کے حضور التجا و دعا کرنے کا ادب یہ ہے کہ تمھاری آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تم اپنے آپ کو خستہ حال، کمزور اور کائنات کی حقیر ترین شے جانو اور پھر اس کے حضور دستِ دعا دراز کرو، وہ تمھاری مراد تمھیں عطا فرما دے گا۔

☆ بزرگانِ دین کی صحبت کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے عزیز! خود کو خواہشاتِ دنیا کا طلب گار نہ بنانا اور اپنے آپ کو غفلت کی جگہوں سے ہمیشہ کنارہ کش رکھنا۔ جن سنگتوں، صحبتوں اور محفلوں سے تمھارے اندر غفلت میں اضافہ ہو، ان مجالس، جگہوں اور مراکز سے اپنے آپ کو دور رکھنا۔ اس لیے کہ یہ صحبتیں سخت اور سنگدل ہیں، تمھیں بھی سنگ دل کر دیں گی۔۔۔ تمھارے اندر سے ندامت کے احساس کو نکال دیں گی۔۔۔ تمھیں اسی دنیا میں مشغول اور گم کر دیں گی۔۔۔ اور تمھارے اندر سے مولا کی راہ کی تلاش کی رغبت اور جستجو آہستہ آہستہ بھلا دیں گی۔ بری صحبت کو ترک کرنے کا عمل تب تک جاری رکھو جب تک اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان نہ سن لو کہ

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی۔ (القیامۃ، ۷۵: ۳۶)

”کیا اِنسان یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے بے کار (بغیر حساب و کتاب کے) چھوڑ دیا جائے گا۔“

پس ان صحبتوں سے احتراز کرو اور اہلِ صدق کے قافلے کا حصہ بن جاؤ اور دنیا کی زیب و زینت اور فتنوں کے مہلک انجام کے راستوں سے دور رہو۔ ایسی مجالس کو اختیار کرو جو تمھارے اندر عجز و انکساری پیدا کریں اور تمھارے اندر مولا کی چاہت و رغبت پیدا کریں۔ جب تمھیں ایسی مجالس مل جائیں گی تو اللہ تعالیٰ تمھیں بشارت دے گا، تمھیں اپنے انور و تجلیات سے نوازے گا اور تمھاری سماعتوں کو اپنے کلام اور نگاہوں اور قلوب کو اپنے دیدار سے مزین فرما دے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم حضور سیدنا غوث الاعظمؓ سے محبت کا دم بھرتے ہیں، تصوف کے راستے پر چلنے اور قربتِ الٰہی کے حصول کے لیے ریاضت و مجاہدہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور حضور غوث الاعظم سے اظہارِ عقیدت کرتے ہیں لیکن یاد رکھ لیں کہ ہماری ان سے عقیدت کا اظہار تبھی سچا ہو گا اور ان کی ذات سے فیض تب نصیب ہو گا جب ہم ان کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں داخل کر لیں گے۔ اگر بالفرض ہر ماہ گیارھویں شریف کے ختم کا اہتمام نہیں بھی کر سکتے مگر ان کی تعلیمات پر دل و جاں سے عمل پیرا ہیں تو تب بھی ان کے فیوضات کا سلسلہ جاری رہے گا۔

تحریک منہاج القرآن کا 44واں یوم تاسیس

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی خصوصی گفتگو

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اپنی توفیقِ خاص سے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم اس کے محبوب ﷺ کی امت کے مختلف طبقات کی حسبِ استطاعت خدمت کر سکیں، ممکنہ حد تک ہر میدان میں اسلام اور تعلیماتِ نبوی کا علم بلند کر سکیں، حضور نبی اکرم ﷺ کے عظیم پیغام کو اگلی نسلوں تک پہنچا سکیں اور تعلیم و تربیت کے نظام کے ذریعے لوگوں کے دین و ایمان، عقائد، افکار و نظریات، اعمال، احوال، اخلاق اور معاملات و تعلقات کی جہاں تک ہو سکے بہتری کا سامان پیدا کر سکیں۔

آج سے 44 سال قبل تحریک منہاج القرآن کا قیام عمل میں آیا جو آج الحمدللہ تعالیٰ ایک عالمگیر تحریک کی صورت میں موجود ہے اور اس کا وجود، کام اور اثر دنیا کے 100 سے زائد ممالک میں اپنی برکات اور اثرات دکھا رہا ہے۔ اس پر میں صمیمِ قلب سے منہاج القرآن سے وابستہ دنیا بھر کے جملہ رفقاء و کارکنان کو مبارکباد دیتا ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

بعض لوگوں کے کام سنگل پوائنٹ ایجنڈا ہوتے ہیں یعنی اُن کی توجہ کسی ایک نقطہ پر مرکوز ہوتی ہے۔ اس صورت میں کام کرنے والے اپنی تمام تر توانائیاں ایک ہی کام پر لگا دیتے ہیں۔ اس سے ان

افراد کی توانائیاں اور طاقت تقسیم نہیں ہوتی اور وہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی جانب بڑھتے رہتے ہیں۔ آج کے دور میں اگرچہ تعلیم اور شعور کی سطح بڑھ گئی ہے مگر ابھی تک کسی بھی سنگل پوائنٹ ایجنڈے کو فروغ دینے والی تنظیم، جماعت یا تحریک کو ہمارے اس معاشرے سے ہزاروں کی تعداد میں افراد مل جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ تنظیم اور جماعت لوگوں کو انتہا پسندی اور تنگ نظری کی طرف دعوت دے اور دورِ جدید کے تقاضوں، حلیہ، زبان، سوچ اور طرزِ فکر و عمل سے انھیں الگ کر کے بھی رکھ دے تب بھی انھیں معاشرے میں سے اپنی سوچ کے مطابق افراد میسر آجاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سنگل پوائنٹ ایجنڈا رکھنے والوں کے نعرے دل کو بھاہ جانے والے ہوتے ہیں اور یہ نوجوانوں اور عامۃ الناس میں سے ان طبیعتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں جن کی طبیعتوں میں اس نوعیت کا عنصر پہلے سے موجود ہوتا ہے۔

اس کی ایک مثال انتہا پسندانہ خیالات کو پروان چڑھانے والی تنظیمیں، جماعتیں اور انھیں ملنے والے لوگوں کی ہے۔ یہ لوگ اسلام کا تصور نہایت محدود اور تنگ نظری پر مبنی پیش کرتے ہیں اور لوگوں کی برین واشنگ انتہا پسندانہ تعبیر کے ساتھ کرتے ہیں۔ 1980ء سے لے کر آج تک انتہا پسندانہ نظریات نے عالم اسلام میں جو کچھ کیا اور جن کی وجہ سے عالمِ اسلام پر بڑی بڑی آفات آئیں، وہ وسب کے سامنے ہیں۔ اسلام دشمن عالمی طاقتیں ایسی انتہا پسندانہ سوچ رکھنے والوں تک رسائی حاصل کرتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ پھر ان سے عالمِ اسلام میں عدمِ استحکام کے لیے کام بھی لیا گیا اور پھر ان کو ختم بھی کیا گیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے کئی لوگ عالمی طاقتوں کے آلہ کار بھی بن جاتے ہیں۔

اسی طرح مذہبی انتہا پسندی میں کسی کو کافر قرار دینا اور کافر قرار دینے کے لیے وجوہات تلاش کرنا، یہ معاملات بھی 1980ء کے اوائل میں پاکستان میں کثرت سے ہوئے، جس کے نتیجے میں قتل و غارت گری ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ یہ انتہا پسندانہ فکر اور نظریہ جماعتی صورت میں ملک میں پھیلتا چلا گیا۔ ان حالات میں دشمن ممالک اس صورت حال کا فائدہ اٹھانے کے لیے شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ انتہا پسندی کو مزید فروغ دینے کے لیے وسائل بھی فراہم کرتے ہیں اور اس جماعت کی فرسٹ اور سیکنڈ لائن لیڈر شپ تک رسائی رکھتے ہیں۔ اس جماعت یا تنظیم کے کارکن اپنے خلوص اور نیت کے ساتھ سنگل پوائنٹ ایجنڈے پر کام کرتے رہتے ہیں، اس لیے کہ انھیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے اوپر کے لوگ بِک چکے ہیں اور کسی بیرونی طاقت کے ایجنڈے پر ہیں۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ کسی بھی سنگل پوائنٹ ایجنڈے پر کام کرنے کے لیے بآسانی افراد مل جاتے ہیں۔ نہ صرف مذہبی انتہا پسندی کے ایجنڈے پر کاربند جماعتوں کو لوگ مل جاتے ہیں بلکہ سیاسی

جماعتوں کو بھی لوگ مل جاتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں اپنی تمام تر کرپشن اور نااہلیت کے باوجود ووٹ لیتے ہیں۔ اچھے اور برے کی تمیز نہ کرنے والے افراد معاشرے میں کثیر تعداد میں موجود ہیں، تبھی تو یہ جماعتیں قائم ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ جماعتیں بکھر کر ختم ہو گئی ہوتیں۔ جن لوگوں کا کردار پڑھے لکھے لوگوں کی نظر میں گالی سمجھا جاتا ہے، وہ بھی الیکشن کے نتیجے میں بھاری اکثریت سے ووٹ لے کر اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں۔ دھن، دھونس اور دھاندلی کے عوامل بھی انتخابات میں کارفرما ہوتے ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اُن کے حلقۂ انتخاب میں ایک بڑی اکثریت اُن کے چاہنے والوں کی بھی ہوتی ہے جو انھیں ووٹ دیتی ہے اور اُن کے لیے بھاگ دوڑ کرتی نظر آتی ہے۔

گویا معاشرے میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو ان سیاسی جماعتوں کی مکمل ناکامی اور ملک و قوم کو سوائے کرپشن کے کچھ نہ دینے کے باوجود بھی ان کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ ملک کی مجموعی صورتحال مایوس کن ہے، لوگ سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں کو گالیاں دیتے ہیں مگر جب انتخابات کا وقت آتا ہے تو پھر عوام کا یہی ایک بڑا طبقہ ان کو ووٹ بھی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ جماعتیں اقتدار میں آتی رہتی ہیں۔

سنگل پوائنٹ ایجنڈے میں لوگوں کے مختلف قسم کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے اور پھر لوگ اس میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً پاکستان میں پچھلے دس سال میں مختلف نعرے لگے جو مذہبی حوالے سے بڑے پرکشش تھے۔ اس پر لوگ میدان میں نکل آتے ہیں، دینی غیرت کو ابھارا جاتا ہے، کبھی عشقِ رسول کے نام پر، کبھی ناموس رسالت کے نام پر، کبھی اسلام کے نام پر اور کبھی قرآن کے نام پر۔ الغرض لوگ مختلف اچھی اصطلاحات اور اچھے عنوانات کا غلط استعمال اور استحصال (exploitation) کرتے ہیں اور دین کو گلیوں میں لے کر نکل آتے ہیں پھر چلتے چلتے یہی لوگ ایک مذہبی تحریک بنا لیتے ہیں۔

انتہا پسندانہ طبقات اور محض جذباتی نعروں پر قائم مذہبی و سیاسی جماعتوں کو عامۃ الناس سے تائید و حمایت کے مل جانے کا سبب بنیادی طور پر اس شعور کی کمی کی علامت ہے جس کے ذریعے اچھے اور برے میں امتیاز برتا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے کی علمی شعوری سطح بہت نیچے ہے۔ علمی شعوری سطح سے مراد شرح خواندگی نہیں، اس لیے کہ اس اعتبار سے تو ہر وہ شخص جو اپنا نام لکھ اور پڑھ سکے، وہ پڑھا لکھا تصور ہوتا ہے لیکن اسے شعور نہیں کہا جا سکتا۔ شعور یہ ہے کہ جہاں اچھے و برے، جائز و ناجائز، صحیح اور غلط کی تمیز ہو سکے۔۔۔ جہاں نظریہ کی تشخیص ہو سکے۔۔۔ جہاں دین اور کردار کی صحیح تعبیر ہو سکے۔۔۔ شخصیت اور سوچ و افکار میں اعتدال اور توازن موجود ہو۔

جب معاشرے میں اس پیمانے پر شعور کی سطح جاننا چاہیں تو وہ لوگ جن تک ہم اپنا پیغام پہنچانا چاہ رہے ہیں، اُن کی تعداد مزید کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اُن کی اور ہماری wave length مختلف ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں نے سنگل، جذباتی، لاشعوری اور انتہا پسندانہ نعروں سے راغب ہونا تھا، وہ لوگ ہماری شعوری چیزوں سے راغب نہیں ہوں گے اور ہماری باتیں اُن کے عقلی اور دماغی سانچے (frame of mind) میں نہیں بیٹھیں گی۔

یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح معاشرے میں نیک، صالح، صاحبِ کردار اور پڑھے لکھے شخص کو الیکشن پر کھڑا کر دیں تو اسے چند سو ووٹ بھی نہیں ملتے۔ اس لیے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تھانے، کچہری کا کام نہیں کروا سکتا۔ یعنی لوگوں کا ایک مائنڈ سیٹ ہے، اس سے اوپر اُن کی سوچ ہی نہیں جاتی۔ ان کی ذہنی سطح ہی اتنی بلند نہیں ہے کہ وہ یہ سوچ سکیں کہ جسے ہم نے اپنے ووٹوں سے پارلیمنٹ کا ممبر بنانا ہے وہ قانون سازی کرے گا اور ملک کی تقدیر بدلے گا۔ یہ ووٹر اور اُن کے نمائندے ایک ہی طرح کی ذہنی ساخت رکھتے ہیں۔ نتیجتاً پڑھے لکھے لوگ ہمیشہ شکست کھاتے ہیں اور یہ روّیہ سیاسی، سماجی اور مذہبی زندگی میں اسی طرح ہے۔

یہ انسانی نفسیات ہے کہ جس شعبہ زندگی میں جذبات کا عمل دخل زیادہ ہوگا، وہاں exploitation کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جہاں جذبات کے بجائے نظریہ، علم اور فکری و تحقیقی تجزیہ کا اثر زیادہ ہوگا وہاں جذباتی نعرے کم اثر انداز ہوتے ہیں۔

پس سنگل پوائنٹ ایجنڈے پر کاربند تحریکوں، جماعتوں اور تنظیموں کا کام مشکل نہیں ہے، انھیں افرادی قوت کا میسر آجانا اور عامۃ الناس میں پذیرائی مل جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ وہ

لوگوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے انھیں اپنے من پسند مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جبکہ معاشرے میں مشکل اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو کسی بھی دور میں دین کے پیغمبرانہ تصور کو لے کر اٹھتے ہیں اور دین کا احیاء کرنا چاہتے ہیں۔

ہر پیغمبر اور نبی کا کام مشکل تھا۔ اس لیے کہ معاشرے کا جو دھارا اور سمت چل رہی ہوتی، جس میں معاشرے کے سبھی لوگ بہہ رہے ہوتے تو پیغمبر معاشرے کے اس دھارے کے برعکس دعوت، فکر اور نظریہ کے ساتھ آتا ہے تو موجودہ ذہنی سانچوں میں اُن کی بات بیٹھتی ہی نہیں ہے۔ اخلاقی برائیاں ہوں یا سماجی و اعتقادی برائیاں، شرک ہو یا جہالت، رسم و رواج اور معاشرے کی روایت ہو یا ظلم وجہالت، مذہبی اجارہ داری ہو، جسے لوگوں نے تسلیم کیا ہوتا ہے یا ذہنی غلامی کہ لوگ اپنی آزادی کا سوچ ہی نہیں سکتے اور بعض چیزوں کو اپنے لیے ناممکن سمجھتے ہیں، لوگوں نے ان کے ساتھ بہ دل نخواستہ سمجھوتہ کر رکھا ہوتا ہے، پیغمبر ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں چلتا۔

آقا علیہ السلام جب دعوتِ اسلام لے کر تشریف لائے تو کفار مکہ ابو جہل، ابو لہب، امیہ بن خلف اور دیگر کے ذہنی سانچوں میں وہ بات بیٹھتی ہی نہ تھی۔ یہاں تک کہ اُن کے غلاموں کے ذہنی سانچوں میں بھی نہیں بیٹھتی تھی۔ ان غلاموں کا بھی ظلم سہہ سہہ کر ایک ذہنی سانچہ بن گیا تھا، وہ اس ماحول میں اتنے ایڈجسٹ ہو گئے تھے کہ نبی و رسول کی بات اُن کے ذہنی سانچے میں بیٹھتی ہی نہ تھی۔ اس لیے کہ ایک طرف انتہا پسندی ہے اور دوسری طرف نبی و رسول کا دیا ہوا نظریہ ہے جس میں عقل، شعور، جذبات، اطاعت، حریت، اقتدار، آزادی، انسانی اقدار، مساوات، توازن و اعتدال، تکریم انسانیت اور رسوم و رواج کو توڑنا ہے، یہ ساری چیزیں اس سماج کے بہاؤ کے خلاف ہوتی ہیں۔

نبی اور رسول کے بعد امت میں بھی ہر صدی اور ہر دور میں یہی چیز ہوتی چلی آئی ہے اور ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص، ایک جماعت یا ایک تحریک اس پیغمبرانہ دعوت کو لے کر اٹھتی ہے تو اسے بھی اسی قسم کے ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حقیقی پیغمبرانہ دعوت کیا ہے؟

اس موقع پر ''پیغمبرانہ دعوت'' کا حقیقی مفہوم سمجھنے کی بھی ضرورت ہے۔ آج ہر وہ شخص اور تنظیم یا جماعت جو دین کی دعوت اور تعلیمات کے فروغ کا کام کر رہا ہے، وہ اپنے کام کو پیغمبرانہ دعوت سے تعبیر کر رہی ہے۔ اس کے کام پر پیغمبرانہ دعوت کے عنوان کا اطلاق کرنا جزوی طور پر جائز ہے یعنی جو شخص یا جماعت بھی اللہ کے دین کی دعوت آگے پہنچا رہی ہے، وہ جزوی طور پر پیغمبرانہ دعوت کا ایک

حصہ ہے مگر جب اس کی دعوت اور کام کا تجزیہ کیا جائے گا تو پھر معلوم ہوگا کہ وہ حقیقی ''پیغمبرانہ دعوت'' کے مشن پر کاربند ہے یا نہیں؟ اس کے لیے دیکھنا ہوگا کہ اس دعوت کا مزاج کیا ہے۔۔۔؟ اس دعوت کے اندر اعتدال و توازن کس قدر ہے۔۔۔؟ اس دعوت کی فکری اور نظریاتی اساس کیا ہے۔۔۔؟ جب اس طرح اس شخص یا جماعت کی دعوت کو پرکھتے چلے جاتے ہیں تو حقیقی پیغمبرانہ دعوت اور اس شخص یا جماعت کی دعوت میں زمین و آسمان کا فرق آجاتا ہے۔

نماز، روزہ اور نیکیوں کی طرف دعوت دینا بلاشبہ پیغمبرانہ دعوت ہے مگر یہ جزوی سطح پر ہے مگر جب اس دعوت کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہیں تو وہی دعوت حقیقی معنی میں پیغمبرانہ دعوت کہلائے گی کہ جس دعوتِ دین میں قدیم اقدار کو بھی برقرار رکھا جائے اور جدید دور کے معیار پر بھی پورا اترا جائے۔۔۔ اس دعوت سے موجودہ نئی نسل بھی متنفر نہ ہو۔۔۔ اس دعوت کے نتیجے میں اسلام نئے زمانے کے دین کے طور پر بھی لوگوں کے سامنے آئے۔۔۔ اس دعوت میں تسلسل بھی ہو اور تجدید بھی ہو۔۔۔ اس دعوت میں دین کی اصل روح کو بھی فراموش نہ کیا جائے۔۔۔ وہ دعوت اعتدال و توازن پر قائم ہو۔۔۔ وہ دعوت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی طرف بلانے والی ہو۔۔۔ جس دور میں دعوت دے رہے ہیں، پیغمبرانہ دعوت دینے والی تحریک اور جماعت کو اس دور کے تقاضے اور نفسیات بھی معلوم ہو۔۔۔ اس جماعت کو اس دور کی انفرادی و اجتماعی ذہنی سطح کا علم ہو۔۔۔ بین الاقوامی حملوں، فتنوں، مشکلات، چیلنجز کا بھی ادراک ہو۔

اسی طرح پیغمبرانہ دعوت کی تحریک جب دین کی دعوت دے رہی ہو اور دین کے ماڈل اور نظریہ کو پیش کر رہی ہو تو اس دعوت میں حضور نبی اکرم ﷺ، صحابہ و اہل بیت اطہار اور سلف صالحین اور اولیاء کے دور کا امر بالمعروف کا حسن و جمال بھی برقرار رہے۔۔۔ اور نہی عن المنکر کا جاہ و جلال بھی اس میں برقرار رہے۔۔۔ اس دعوت میں کسی بھی مرحلہ میں انتہا پسندی نہ ہو۔۔۔ اس vision میں مسلم و غیر مسلم، مرد و عورت، بچہ و بوڑھا ہر کوئی سما سکے اور جگہ پا سکے۔۔۔ اس دعوت میں سماجی، معاشرتی، سیاسی، فلسفیانہ، سائنسی، فکری، تربیتی ہر اس پہلو کو لیا جا رہا ہو جس کی زمانے کو ضرورت ہے۔۔۔ جس میں مخاطب کے دماغ، دل، روح، جذبات، گھریلو، کاروباری، معاشرتی اور مذہبی ضروریات کو اعتدال و توازن کے ساتھ مخاطب کیا جا رہا ہو۔ جب کوئی تحریک یا جماعت ایسا vision لے کر آئے تو اس کو من حیث الکل پیغمبرانہ vision اور پیغمبرانہ دعوت کہا جاتا ہے۔

ہر چیز کو توازن کے ساتھ لے کر چلنا مشکل ترین کام ہے چونکہ اس میں انسان وہ کیفیت پیدا نہیں کر سکتا جو سنگل پوائنٹ ایجنڈے پر برین واش کر کے پیدا کر سکتے ہیں۔ سنگل پوائنٹ ایجنڈے پر

لوگوں کو نابینا بنایا جاتا ہے جبکہ اعتدال و توازن پر قائم پیغمبرانہ دعوت نابینا کو بینا کرتی اور اس کی آنکھیں کھولتی ہے۔ اس طرح کے vision سے متاثر ہونے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ معاشرے میں حقیقی شعوری سطح جتنی کم ہوتی چلی جاتی ہے، اتنا اس دعوت سے متاثر ہونے والوں کی کی تعداد بھی کم ہوتی چلی جاتی ہے۔

پندرھویں صدی ہجری اور تجدید و احیاء دین

آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اب قیامت تک عالمِ انسانیت کے پاس کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا اور قیامت تک اب حضور علیہ السلام ہی کی نبوت و رسالت رائج ہے۔ نبوت و رسالت کے سلسلے کے ختم ہو جانے کے بعد رشد و ہدایت کے نظام کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت میں سلسلۂ تجدید کے ساتھ replace کر دیا۔ اب حدیث مبارک کے مطابق ہر زمانے میں امت کے اندر سے ہر صدی کے شروع میں اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو تجدیدِ دین کرے گا۔ اس طرح دین کی تعلیمات کی قرن در قرن، زمانہ در زمانہ، نسل در نسل، صدی در صدی یاد دہانی ہوتی رہے گی اور اس طرح ہر دور میں دین زندہ ہوتا رہے گا۔

تجدیدِ دین کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ دوسری قوتیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی و معاشرتی، میڈیا کی طاقت ہو یا سیکولر طبقات، ہر ایک اپنے اپنے مفادات کے لیے تعلیماتِ اسلام اور دین کی فکر کو بگاڑنے میں مصروفِ عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہر چیز روبہ زوال ہے اور اخلاق، کردار، اقدار، حیا الغرض ہر معاملہ تباہی کی طرف گامزن ہے۔ دین پر حملے بھی شدید سے شدید تر ہیں اور ہر روز نئے فتنے بھی جنم لے رہے ہیں۔

گویا خرابی اور تباہی ہر روز اسی طرح بڑھتی جا رہی ہے جس طرح سابقہ ادوار میں اس طرح کی خرابی و تباہی پھیلتی تھی تو اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں کوئی نبی اور رسول مبعوث فرماتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کے بعد اب کسی نبی اور رسول نے نہیں آنا تو اس موجودہ شر اور خرابی کو کیسے روکا جائے۔۔۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبوت و رسالت کے سلسلہ کو ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خیر کے چشمے بند نہیں کیے بلکہ آپ ﷺ کی امت ہی کے بعض طبقات کو شر کو روکنے، خیر و بھلائی کو پھیلانے اور دین کی مٹتی ہوئی اقدار کو زندہ کرنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ یہ پیغمبرانہ ذمہ داری ہے جو غیر انبیاء یعنی امتیوں کو پیغمبرانہ ذمہ داریوں کو جاری رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ اس کا نظام وضع فرمایا ہے۔ چھوٹی سطح پر اصلاح کا عمل تو تسلسل کے ساتھ

جاری و ساری رہتا ہے مگر بڑی خرابیوں کے تدارک کے لیے اور اجتماعی سطح پر اصلاح کے عمل کے لیے ہر صدی کے آغاز پر مجدد کو مبعوث کرنے کا نظام وضع فرمایا گیا ہے۔ اصلاح کے کام بہت سے لوگ کر رہے ہوتے ہیں مگر تجدید کا کام سو سال کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ تجدید دین کے لیے ایک صدی کا تعین اس لیے فرمایا گیا کہ تصورات، عقائد، خیالات، افکار، نظریات، اخلاق اور اعمال میں 100 سال میں وسیع پیمانے پر اتنی بڑی تبدیلی آچکی ہوتی ہے کہ پھر اصلاحی کام سے بڑھ کر ایک عظیم تجدیدی کام کی ضرورت پڑتی ہے۔

الحمدللہ تعالیٰ اس زمانے میں تجدید کا منصب اور ذمہ داری منہاج القرآن کے سپرد ہے اور اللہ تعالیٰ نے رفقاء و کارکنان تحریک منہاج القرآن کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت اس تحریک کو روک سکتی ہے اور نہ ختم کر سکتی ہے۔ اس تحریک نے کم و بیش 60 سال مزید چلنا ہے۔ اس لیے کہ اب یہ ذمہ داری اگلی صدی میں اللہ تعالیٰ کے نظام کے مطابق کسی کے سپرد ہونی ہے۔

آج ہم الحمدللہ اپنا 44واں یوم تاسیس منا رہے ہیں۔ دنیا گواہ ہے کہ گزشتہ 44 سال میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جہاں تحریک کے علمی، فکری، اصلاحی اور تجدیدی کاموں کا گراف نیچے آیا ہو بلکہ روز اول سے ہر آن و لمحہ اس کی تجدیدی و احیائی سرگرمیوں کا گراف ہمیشہ بلند سے بلند تر ہوتا رہا اور ہر طرح کی سازشوں، ہتھکنڈوں اور منفی پروپیگنڈوں حتیٰ کہ ریاستی دہشت گردی کے ذریعے رفقاء و کارکنان کو شہید کرنے کے باوجود ہمیں کوئی جھکا نہیں سکا۔

تحریک منہاج القرآن اس حقیقی پیغمبرانہ دعوت کے اسلوب پر قائم وہ تحریک ہے جو گزشتہ 44 سال سے تجدید دین اور احیائے اسلام کے اس مصطفوی اور پیغمبرانہ دعوت کے مشن پر عمل پیرا ہے۔ تجدیدِ دین کا یہ کام اس قدر ہمہ جہتی ہے کہ اس کے اندر، دین کا علم، فکر، فہم، ظاہر و باطن کی معرفت، علوم و فنون کا فروغ، اصلاح، رائج الوقت نظام کی خرابیوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح کے لیے لائحہ عمل دینا سب شامل ہے۔

اس تحریک سے وابستہ تمام لوگ جہاں بھی ہیں اور اس تحریک کی خوشبو کو پھیلا رہے ہیں، اس کے پیغام کو فروغ دے رہے ہیں، شب و روز اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں اس کے لیے صرف کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل، ہر قدم اور ہر کاوش کو قبول فرمائے اور دنیا و آخرت کے بے حساب اجر اور برکت و سعادت سے نوازے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

41ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس

رپورٹ: محمد یوسف منہاجین

ماہ ربیع الاول کا آغاز پوری مسلم دنیا کیلئے خوشی اور مسرت کا احساس لے کر آتا ہے۔ بعثتِ محمدی ﷺ پر خوشیاں منانے کا حکم اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے بڑھ کر کائنات میں کوئی خوشی نہیں۔ ربیع الاول کا مہینہ خوشیوں، رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے۔ محسن انسانیت حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت پاک کی خوشی دنیا جہان کی خوشیوں سے بلند تر اور برتر ہے۔ میلاد کا سب سے بڑا پیغام محبت، امن اور سلامتی ہے۔ تحریک منہاج القرآن کے کارکنان اور وابستگان پوری دنیا میں محافل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد کر کے دنیا کو امن، سلامتی اور احترامِ انسانیت کا پیغام دیتے ہیں اور تحریک منہاج القرآن حضور نبی اکرم ﷺ سے اظہارِ محبت و مودت کے کلچر کو فروغ دے رہی ہے۔

امسال بھی ماہِ ربیع الاول کا آغاز ہوتے ہی منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ، گوشہ درود، جامع شیخ الاسلام، کالج آف شریعہ اور متصل عمارات اور گلیوں کو برقی قمقموں سے روشن کر دیا گیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ہدایت پر حسب سابق امسال بھی منہاج القرآن کے مرکزی

سیکرٹریٹ پر نورِ مجسم، رحمتِ دوعالم حضور نبی اکرم ﷺ کی اس دنیا میں آمد کی خوشی میں محافلِ نعت وضیافتِ میلاد کا بھی بھرپور اہتمام کیا گیا۔ یکم سے 11 ربیع الاول تک ان محافل میلاد اور ضیافتِ میلاد کی میزبانی کے فرائض مختلف ایام میں؛ منہاج القرآن یوتھ لیگ، آغوش کمپلیکس، تحفیظ القرآن انسٹیٹیوٹ، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ، نظامتِ تربیت، کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز، ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن اینڈ پروفیشنل ڈویلپمنٹ، منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن، منہاج القرآن ویمن لیگ اور ڈائریکٹوریٹ آف انٹرفیتھ ریلیشنز منہاج القرآن انٹرنیشنل نے سرانجام دیے۔

پاکستان اور دنیا بھر موجود تحریک منہاج القرآن کی تنظیمات اور کارکنان نے بھی ماہ ربیع الاول میں عظیم الشان میلاد جلوس نکالے اور عظیم الشان محافلِ میلاد کا اہتمام کیا۔ ان جلوسوں اور محافل میلاد کی قیادت اور صدارت منہاج القرآن کی مرکزی، تحصیلی اور ضلعی سطح کی قیادت نے کی اور ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے عوام و خواص نے بطور خاص شرکت کی۔ منہاج القرآن کے علماء اور سکالرز نے ان میلاد جلوسوں اور محافلِ میلاد میں محبت مصطفی ﷺ کے موضوع پر خطابات کئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کی اطاعت کرنے اور آپ ﷺ کی ذات سے محبت و عشق کے پیغام کو نہایت خوبصورت طریقے سے اجاگر کیا۔

عالمی میلاد کانفرنس 2024ء

امسال بھی الحمد للہ تعالیٰ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی عالمی میلاد کانفرنس 2024ء مینارِ پاکستان لاہور کے سرسبز میدان میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور محترم پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی زیر نگرانی نہایت پر وقار انداز میں منعقد ہوئی۔ تحریکِ منہاجُ القرآن پچھلی چار دہائیوں سے عشقِ مصطفی ﷺ کی شمع کو فروزاں کرنے میں مصروفِ عمل ہے۔ مینارِ پاکستان کا گراؤنڈ ہر سال لاکھوں عاشقانِ رسول ﷺ کو اپنے دامن میں سمیٹ کر اس بات کا گواہ بنتا ہے کہ یہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کا جشن منا کر امتِ مسلمہ کے لاکھوں مسلمان اپنے ایمان کو تازگی بخشتے ہیں اور پورا سال ان کے دل محبتِ مصطفی ﷺ کی تپش سے دھڑکتے رہتے ہیں۔ ناظم اعلیٰ منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم خرم نواز گنڈاپور، نائب صدر محترم بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان، محترم محمد رفیق نجم (نائب ناظم اعلیٰ)، محترم نوراللہ صدیقی (نائب ناظم اعلیٰ)، محترم جواد حامد (نائب ناظم اعلیٰ) اور دیگر نائب ناظمین اعلیٰ، صدور فورمز اور مرکزی قیادت کی سربراہی میں قائم 60 سے زائد کمیٹیوں نے عالمی میلاد کانفرنس کے انتظام وانصرام میں کلیدی کردار ادا کیا۔

اس عالمی میلاد کانفرنس میں جامعہ الازہر کے فیکلٹی آف اصول دین کے سابق ڈین اور الازہر الشریف کی اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے رکن الشیخ ڈاکٹر عبدالفتاح عبدالغنی، کویتی فقہ انسائیکلوپیڈیا میں شعبہ تحقیق کے سربراہ اور کویت میں ہیڈ امام الشیخ عبداللہ نجیب سالم، اسلامی جمہوریہ ایران سے عالمی شہرت یافتہ قراء کرام اور ایک اعلیٰ سطحی وفد؛ سید محمد حسین ہاشمی گل پائیدانی، محمد مہدی صادقی، محترم غلام رضا قاسمیان، استاد حامد شاکر نژاد، احمد ابوالقاسمی، محمد حسین عظیمی خوشنودی، موسی عظیمی خوشنودی، محترمہ حدیث نظری، محترمہ آتسہ ثنا نظری، محمد حسین خیر الامور، حسین حیدری، سید مہدی حسینی منش خصوصی طور پر تشریف لائے۔

پاکستان بھر سے جید علماء و مشائخ عظام، مذہبی و سیاسی جماعتوں کے قائدین، سماجی رہنما، تاجر برادری، وکلا، اور طلبہ تنظیموں کے سربراہان عالمی میلاد کانفرنس کے سٹیج پر موجود ہیں۔ پنڈال کے اندر اور ملحقہ سڑکوں پر نصب دیو قامت جدید ڈیجیٹل اسکرینوں کے ذریعے سٹیج کی کارروائی کو براہِ راست دکھایا گیا۔ اس کانفرنس میں لاکھوں عشاقان مصطفیٰ بنفسِ نفیس مینار پاکستان کے گراؤنڈ میں موجود تھے جبکہ منہاج ٹی وی، اور تحریک کے دیگر سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے ذریعے بھی لاکھوں لوگ اس کانفرنس میں آن لائن شریک تھے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس عالمی میلاد کانفرنس میں ”سیرت نبوی ﷺ اور حلم“ کے موضوع پر علمی، فکری اور روحانی خطاب فرمایا۔ اس کانفرنس کی اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

خطبہ استقبالیہ: محترم خرم نواز گنڈاپور (ناظم اعلیٰ منہاج القرآن انٹرنیشنل)

41ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس 2024ء کے آغاز میں محترم ناظم اعلیٰ نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اللہ رب العزت کا شکر اور احسان اور لطف و کرم ہے کہ جس نے آج کی اس مقدس اور سہانی رات ہمیں ایک عظیم اعلی اور خیر پر مبنی مقصد کے لیے جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں اس عظیم الشان اکتالیسویں عالمی میلاد کانفرنس کے کامیاب انعقاد پر منہاج القرآن انٹرنیشنل کے تمام فورمز اور خصوصا تحریک منہاج القرآن، نظامت اجتماعات، نظامت دعوت، منہاج القرآن وومن لیگ، منہاج القرآن یوتھ لیگ، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ، منہاج القرآن علماء کونسل، پاکستان عوامی تحریک، منہاجینز اور دیگر نظامتوں اور تمام زونز کو مبارکباد دیتا ہوں کہ جن کی مسلسل محنت و مساعی سے اتنے بڑے پیمانے پر ایک تاریخی اور عظیم الشان اجتماع کا انعقاد ممکن ہوا۔

بالخصوص تحریک منہاج القرآن لاہور کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اس عظیم الشان محفل کو سجانے میں ان کی غیر معمولی کاوشوں کا ثمر بفضل تعالی آج کا یہ عظیم جمِ غفیر ہے۔ فرید ملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ کو بھی مبارکباد کہ جن کی مسلسل جدوجہد سے اس مبارک شب کی مناسبت سے آج 12 نئی کتب کی اشاعت ممکن ہوئی ہے۔

میں اس عالمی میلاد کانفرنس کی زینت بننے والے قابل صد احترام شیوخ عظام خصوصا مصر سے تشریف لانے والے پروفیسر آف علوم القرآن و تفسیر ڈاکٹر عبدالفتاح عبدالغنی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہماری دعوت پر اس اجتماع کو اپنے وجود سے رونق بخشی۔ آپ جامعہ الازہر کے فیکلٹی آف اصول دین کے سابق ڈین اور الازہر الشریف کی اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے رکن ہیں۔ میں اپنے دوسرے عزت مآب مہمان الشیخ عبداللہ نجیب سالم صاحب کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس عالمی میلاد کانفرنس میں شرکت کے لیے ہماری دعوت کو شرف پذیرائی بخشی ۔آپ گزشتہ تیس سالوں سے کویتی فقہ انسائیکلوپیڈیا میں شعبہ تحقیق کے سربراہ اور کویت میں ہیڈ امام کے طور پر فرائض سر انجام دے رہے ہیں اور کویتی ریڈیو اور ٹی وی چینلز کے مقبول پیشکار جبکہ کویت کے قومی اخبارات میں لکھنے والے معروف تجزیہ کار اور کالم نویس ہیں۔ اسی طرح میں اپنے برادر اسلامی ملک اسلامی جمہوریہ ایران سے تشریف لائے ہوئے عالمی شہرت یافتہ واجب الاحترام قراء عظام قاری حامد شاکر نژاد ، قاری احمد ابو القاسمی اور قاری محمد حسین عظیمی خوشنودی اور دیگر قراء کا بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ اپنے لحن داؤدی سے شرکائے کانفرنس کے قلوب کو منور کرنے کے لیے ہماری دعوت پر اس عظیم الشان عالمی میلاد کانفرنس میں تشریف لائے ۔ان کے علاوہ ایرانی وفد میں شریک دیگر قابل قدر مہمانان گرامی جن میں محفل ٹیلی ویژن کے سربراہ سید محمد حسین ہاشمی ،محمد مہدی صادقی اور حجت الاسلام غلام رضا قاسمیان اور دیگر مہمانان گرامی کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں. کہ وہ بھی ہماری دعوت پر اس عظیم الشان کانفرنس میں تشریف لائے. منہاج القرآن انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر ڈپلومیٹک اور انٹر فیتھ ریلیشنز محترم سہیل احمد رضا کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کی خصوصی دلچسپی اور مسلسل رابطے کے باعث ایرانی مہمانوں کی آمد ممکن ہوئی۔

ہمارے لیے یہ باعثِ فخر اور باعثِ اعزاز ہے کہ ہم آج اکتالیسویں یوم میلاد النبی ﷺ کے اس اجتماع کا انعقاد کر رہے ہیں۔اس کا ایک اہم مقصد محبت و قربتِ رسول ﷺ کا حصول اور آپ ﷺ کی ذات گرامی سے مسلمانوں کے تعلق کا احیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس امتِ مسلمہ کے ایمان کا مرکز و محور اور حقیقی اساس ہے۔امت مسلمہ کی بقا، سلامتی اور ترقی کا راز ہی اس امر پر منحصر ہے کہ وہ فقط ذات مصطفی ﷺ کو اپنی جملہ عقیدتوں، محبتوں اور تمناؤں کا مرکز و محور گردانیں اور یہ بات قطعی طور پر جان لیں کہ آپ ﷺ کی نسبت کے استحکام اور واسطہ کے بغیر دنیا و آخرت میں کوئی عزت و سرفرازی نصیب نہیں ہو سکتی۔

میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو عالمی میلاد کانفرنس کی صورت میں قائم کی گئی اس عظیم روایت پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ وہ نہایت کامیابی کے ساتھ اس مشن کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔اللہ رب العزت سے دعاگو ہوں کہ تحریک منہاج القرآن کو ہر سال اسی شان و شوکت، جوش وولولے اور تکریم کے ساتھ یہ دن منانے کی سعادت نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر آج کی رات اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں اسی طرح اس عظیم دن کو عید سعید کے طور پر منانے کی توفیق عطا فرمائے۔

محفل قرأت و نعت

عالمی میلاد کانفرنس کے پہلے سیشن کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا۔ تحفیظ القرآن انسٹی ٹیوٹ کے اساتذہ اور طلبہ نے تلاوت قرآن مجید کی سعادت حاصل کی۔ صفدر علی محسن، حافظ سعید رضا بغدادی، نظامتِ تربیت، ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن اینڈ پروفیشنل ڈویلپمنٹ اور نظامتِ دعوت کے ناظمین نے نقابت کے فرائض سرانجام دیے۔ ملک کے نامور ثنا خوانانِ مصطفی ﷺ اور منہاج القرآن ویمن لیگ کے ذیلی شعبہ ایگرز کے معصوم بچوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔

☆ کانفرنس میں قاری صالح احمد سراج (مدینہ منورہ) نے ائمہ حرمین کی آواز میں تلاوتِ قرآن مجید کی سعادت حاصل کی۔

☆ ایرانی قراء نے خوبصورت طریقے سے تلاوت کر کے عالمی میلاد کانفرنس کے حسن و وقار کو دوبالا کر دیا۔

☆ ایرانی مہمانانِ گرامی نے اسلامی خطاطی پر مشتمل خوبصورت شیلڈز ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور، شیخ ابو تراب (کوآرڈینیٹر ایرانی وفد) اور محترم سہیل احمد رضا (ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلیشنز منہاج القرآن انٹرنیشنل) کو پیش کیں۔

عالمی میلاد کانفرنس سے معزز مہمانان گرامی کا اظہار خیال

عالمی میلاد کانفرنس میں شریک معزز مہمانان گرامی نے بھی اظہار خیال کیا اور اپنے اپنے انداز میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔ ذیل میں کانفرنس میں شریک مہمانان گرامی کے خطابات کے خلاصہ جات پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ الشیخ عبداللہ نجیب سالم (کویت)

ہیڈ آف ریسرچ گورنمنٹ آف کویت شیخ عبداللہ نجیب سالم نے عالمی میلاد کانفرنس کے عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ معزز شرکاء اور محبانِ رسول اللہ ﷺ! آپ کو اس خوبصورت محفل کے انعقاد پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت پر خوشیاں منا رہے ہیں جو اس نے دونوں جہانوں پر فرمائی۔ آپ لوگ یہاں حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کی خوشیاں منانے اور اس دن کی تعظیم کے لیے آئے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے یوم ولادت کو ایک عظیم دن کے حوالے سے واضح فرمایا۔ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ سوموار کا روزہ کیوں رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس دن پیدا ہوا۔ اس پر میں اللہ کی بارگاہ میں اس کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھتا ہوں۔ آقا علیہ السلام کی ولادتِ مبارکہ کے وقت عظیم معجزات کا ظہور ہوا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت ایک ایسا نور دیکھا جس کی روشنی میں آپ نے مشرق و مغرب کے محلات دیکھ لیے۔ اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ساری کائنات کے لیے روشنی کا باعث ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے پیارے محبوب ﷺ کے ذریعے عظمت و اکرام عطا فرمایا۔ مشرق و مغرب میں ہر طرف یوم میلاد النبی ﷺ کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔

میں منہاج القرآن کے بانی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو اس عظیم الشان جشن کے اہتمام پر مبارکباد دیتا ہوں۔ بلاشبہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت و الفت کے اظہار میں ایمان کی حلاوت اور دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ پاکستان آنے کی دعوت دینے پر میں عصر حاضر کے مجدد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد

طاہر القادری اور ان کی لائق فائق فرزندان ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

۲۔ الشیخ ڈاکٹر عبد الفتاح عبد الغنی العواری (جامعۃ الازہر مصر)

مصر سے منہاج القرآن کی خصوصی دعوت پر تشریف لانے والے معزز مہمان جامع الازہر کے عظیم محقق ڈاکٹر عبد الفتاح عبد الغنی العواری نے 41ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس کے روح پرور اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے دل حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت میں ڈوبے ہیں۔ آپ ﷺ ہدایت لے کر تشریف لائے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو ظلمات سے روشنی اور نور کی طرف نکالیں۔ آپ ﷺ کی ولادت سے قبل لوگ شرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہر جگہ باطل کے ڈیرے تھے۔ عدل و انصاف ناپید تھا اور دنیا ہر طرح کے ظلم کا شکار تھی۔ شیطان نے لوگوں کے برے اعمال کو ان کی نگاہوں میں اچھا بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا رحم کرنے والا ہے، اس کی شایانِ شان نہیں کہ وہ لوگوں کو گمراہی اور اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے۔ اس لیے کہ اس نے مخلوق کو عبث اور بے کار پیدا نہیں فرمایا۔ اس نے انھیں اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ پس اللہ کے ارادے اور چاہت سے اس کا نور پھیلا اور ہدایت کا سورج طلوع ہوا۔ یہ وہی ہدایت کا سورج ور اللہ کا نور ہے جن کے یومِ میلاد کو ہم منا رہے ہیں۔ آپ ﷺ لوگوں کو شرک، ظلم سے نکال کر نورِ توحید، حق اور عدل کی طرف لائے۔

آپ کا یہ اجتماع نہایت مبارک ہے، آپ کی یہ محفل حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کی محبت کا اظہار ہے۔ اگر محبتِ رسول ﷺ نہ ہوتی تو اتنا عظیم اجتماع نہ ہو سکتا۔ آپ کو اس محبتِ مصطفی ﷺ پر مبارکباد دیتا ہوں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو مبارکباد دیتا ہوں کہ جنھوں نے آپ تمام کے دلوں کو عظیم اور مبارک فکر پر اکٹھا کر دیا اور آپ کے اندر محبت رسول ﷺ پیدا کرنے کا حق ادا کر دیا۔ آپ لوگوں کا یہ والہانہ جوش و جذبہ دیکھ کر مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ساتھ ہماری نسبت کو تا قیامت قائم و دائم رکھے۔

۳۔ محترم سینیٹر راجہ ناصر عباس (صدر مجلس وحدت المسلمین)

میں آج کی اس بابرکت شبِ میلاد النبی ﷺ پر شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری اور ان کے صاحبزادگان کی خدمت میں اس عظیم گلدستے کو وجود میں لانے پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہوں۔ اللہ کے نبی ﷺ ہماری ہدایت اور ہمیں رشد و کمال کی عظمتوں تک پہنچانے کے لیے تشریف لائے۔ آپ ﷺ ہمیں ایک ایسی امت بنانے

کے لیے آئے جو اللہ کی زمین پر نفاذِ عدل کے لیے اٹھے، ظلم مٹائے، آپس میں اخوت اور بھائی چارہ کے رشتہ میں بندھی ہو اور ایک دوسرے سے لا تعلق نہ ہو۔ آپ ﷺ عالمین کے لیے رحمت اور وسیع دل رکھنے والے ہیں۔ وہ امت جس کا نبی ایسا ہے، اس امت کا اسوہ بھی رحمت ہونا چاہیے۔ انہیں بھی ظلم کے خلاف بر سرپیکار ہونا چاہیے اور انہیں بھی نفاذِ عدل کے لیے اٹھنا چاہیے۔ امتِ مسلمہ کی کوئی سرحدیں نہیں ہیں۔ جہاں تک عالم بشریت ہے، وہاں تک اس امت کا حدود اربع ہے۔ آج ہم یہاں اس لئے اکٹھے ہیں کہ یہ ہمارے نبی ﷺ کی اس عالم میں تشریف فرمائی والی فضیلتوں کی رات ہے۔ آپ ﷺ کا اس دنیا میں تشریف لانے کا مقصد یہ کہ ہماری تہذیب نفس ہو اور ہم انسان بن جائیں اور انسانیت کے اعلیٰ درجات اور مراتب تک جا پہنچیں۔ منہاج القرآن اسی مشن پر کاربند ہے۔ میں جب بھی آپ میں آتا ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ اپنے گھر میں آیا ہوں۔ ہمارے لیے منہاج القرآن کے جتنے بھی ادارے ہیں، اپنے گھر کی طرح ہیں۔ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں اور رہیں گے۔

۴۔ محترم جسٹس (ر) نذیر احمد غازی (معروف اسلامک سکالر و اینکر پرسن)

پوری دنیا پر حکومت کرنے والے مسلمان افسوس کہ آج زوال کا شکار ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ امت میں اتحاد اور اتفاق نہیں رہا اور ہم فرقہ بندی کا شکار ہو گئے۔ آج اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ منہاج القرآن واحد پلیٹ فارم ہے جو اتحاد امت کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی عظمت کو میں سلام کرتا ہوں کہ جو امت کو اقبال کے پیغام: ”ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے۔۔۔ نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر“ کے مصداق ایک ہونے کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ میں ہانگ بانگ میں بڑی مرتبہ گیا ہوں۔ میں جب بھی وہاں جاتا تھا تو وہ کہتے تھے فلاں کی مسجد میں جانا ہے، فلاں میں نہیں جانا اور ان کو ٹائم نہیں دینا۔ گذشتہ دنوں ڈاکٹر طاہر القادری صاحب پہلی مرتبہ وہاں گئے اور ہانگ کانگ میں تمام مسالک کے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر لیا۔ ان کی کاوشوں کے سبب انہوں نے متفقہ طور پر میلاد النبی ﷺ منعقد کی اور مل کر میلاد جلوس نکالا۔ کاش آج پاکستان میں بھی ہمارے تمام مسالک کے لوگ اکٹھے ہو جائیں۔ ہر سال ڈاکٹر صاحب کی ایک کوشش ہوتی ہے کہ وہ میلاد کے موقع پر مختلف مسالک کے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں اور امت کو اتفاق و اتحاد کا پیغام دیتے ہیں۔

آج بدنصیبی سے ہمارے محراب و منبر پر ایسی زبان کا استعمال ہو رہا ہے جو اسلام اور مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ میرا آج کا پیغام صرف یہ ہے کہ کیا ہم اللہ کے محبوب ﷺ کے ارشاد کہ مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوتے ہیں، کا عملی پیکر ہیں یا نہیں؟ ہمیں عشق رسول ﷺ کی قدر مشترک کو بنیاد بناتے ہوئے ایک ہونا ہو گا اور باہمی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے اتفاق و اتحاد پیدا کرنا ہو گا۔ علامہ محمد اقبال اور سر علی امام (تحریک پاکستان کے عظیم رہنما) میں کچھ وجوہات کی بناء پر بڑے اختلافات تھے۔ ایک کانفرنس میں شرکت کے بعد جب وہ دونوں واپس آئے اور بمبئی اترے تو دونوں آپس میں گلے ملے۔ لوگوں نے علامہ اقبال سے پوچھا کہ آپ کی تو علی امام سے بڑی لڑائی تھی، پھر آپ گلے کیسے مل رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جب ہم جا رہے تھے تو عدن کی بندرگاہ آئی، جہاز پر کھڑے ہو کر علی امام نے مجھے کہا کہ اقبال صاحب اگر یہاں سے نوے کے زاویے سے ایک لائن کھینچی جائے تو وہ سیدھی گنبد خضرا سے ٹکراتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے علی امام کی آنکھیں پر نم ہو گئیں۔ ذکرِ مصطفی ﷺ کرتے ہوئے جس شخص کی آنکھیں پر نم ہو جائیں، اقبال ان کے ساتھ اپنے دل میں بغض نہیں رکھ سکتا۔

آج میں ان لوگوں سے کہتا ہوں جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہمیں سید العالمین ﷺ سے محبت ہے کہ وہ آپس میں اس طرح کا اندازِ رحمت اللعالمینی پیدا کریں۔

۵۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری (چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل)

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے عالمی میلاد کانفرنس میں عربی اور اردو دونوں زبانوں میں خطاب فرمایا۔ اس خطاب کا خلاصہ نذرِ قارئین ہے:

آج کی اس مبارک رات آقا علیہ الصلاۃ والسلام کے یوم ولادت با سعادت کے ان لحظات میں ماضی کے جھروکوں سے ڈیڑھ ہزار سال قبل جزیرہ العرب میں قائم ایسے معاشرے کی جھلک دیکھیں جہاں جہالت و لاقانونیت تھی۔ معاشرہ وحشت و بربریت اور ظلم و سفاکیت کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ تصور کریں کہ وہ ایک ایسا معاشرہ تھا جہاں لوگوں کے مابین نہ احساس و مروت تھا نہ ہی ادب و احترام کا وجود۔ وہ ایسا معاشرہ تھا جہاں قتل و غارت گری کو نہ کوئی گناہ تصور ہوتا تھا اور نہ گردن زنی کوئی جرم تصور ہوتا تھا۔ وہ ایسا معاشرہ تھا جہاں نہ خون کا دریا بہانے سے کوئی باز آتا تھا اور نہ ہی مفلوک

الحال کی اذیت رسانی سے کوئی رکتا تھا۔ وہ ایسا معاشرہ تھا جہاں بنتِ حوا مصیبت اور بدحالی کی زندگی گزار رہی تھی۔ وہ ایک ایسا معاشرہ تھا کہ جہاں دینِ ابراہیمی کی اصل حقیقت مسخ ہو چکی تھی اور لوگ اپنے تراشیدہ بتوں کی پوجا میں لگے ہوئے تھے۔ وہ ایسا معاشرہ تھا جہاں جھوٹ، مکر و فریب اور دھوکہ عام تھا اور ہر طرف فساد اور فتنے کی آگ سلگ رہی تھی۔ الغرض وہ ایسا معاشرہ تھا جہاں امن و سکون تھا اور تحمل و بردباری نہ تھی اور نہ ہی انسانیت کا کوئی نام و نشان تھا۔

تصور کریں کہ اس جہالت اور گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبے ہوئے جبر و سفاکیت سے معمور معاشرے میں اچانک ایک حسین و جمیل چہرے والا، دلربا و دلکش اور کریم و لطیف پیدا ہوتا ہے جو باطل کے مقابلے میں حق کا علم بلند کرتا ہے۔ جب لوگ گمراہی میں مبتلا نظر آتے ہیں تو وہ صداقت و امانت اور حسنِ گفتار و کردار کا زیور پہن کر آتا ہے ۔ جب لوگ نفاق میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں تو وہ ایمان کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ جب لوگ اخلاقی رزائل کا شکار نظر آتا ہے تو وہ اخلاقِ حسنہ کا پیکر بن کر آتا ہے۔ وہ کمزوروں ،ناتوانوں اور بے سہاروں کی اعانت کر رہا ہے جبکہ لوگ کمزوروں کو ظلم کا نشانہ بنا رہے تھے۔ وہ یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کا سہارا بن کر آتا ہے جب کہ لوگ مفلوک الحال طبقات کا استحصال کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ جمیل و کریم سلامتی، امن اور خوشحالی کا پیامبر بن کر آتا ہے جبکہ لوگ جنگ جدال اور فساد کا پیغام دے رہے ہوتے ہیں اور اعلانیہ گناہ کر رہے ہیں۔ وہ حسین و جمیل اور دلربا کون ہے؟ وہ وہ بیواؤں، مسکینوں، یتیموں کا سہارا بننے والا کون ہے؟ وہ آپ کے اور ہمارے پیارے نبی محمد مصطفی ﷺ ہیں۔

آپ ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کی خلقت، آپ ﷺ کے اعضا جسمانی، وجودِ اقدس، چہرہ مبارک، بصارت، سماعت، نگاہوں ،کانوں ، زلفوں، قلبِ اطہر ، سینہ اقدس، دست اقدس ، قدمین مبارک، چال مبارک، تقویٰ، اخلاق ، عمر مبارک کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نظم و نثر میں اپنے اپنے انداز میں آپ ﷺ کی مدح سرائی بیان فرمائی ہے۔ حضرت حسان بن ثابت ہوں یا حضرت ابو بکر صدیق، حضرت ابو طالب ہوں یا حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہم ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں آپ ﷺ کی عظمت و شان کے قصیدے پڑھتا نظر آتا ہے۔ مفسرین کرام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک قرآن مجید میں مذکور صراط مستقیم سے مراد محمد ﷺ ہیں، عروۃ الوثقیٰ

سے مراد بھی محمد ﷺ ہیں، اللہ کے فضل و رحمت سے مراد بھی محمد ﷺ ہیں اور اللہ کے ذکر سے بھی مراد محمد ﷺ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل کرے کہ ہم آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا لباس پہننے کے قابل ہو جائیں۔

خطاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

☆ منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیر اہتمام 41ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنے خطاب کے آغاز میں جامعۃ الازہر کے عظیم استاد الشیخ عبدالفتاح عبدالغنی العواری اور علماء شام اور کویت میں سے ایک عظیم علمی شخصیت الشیخ عبداللہ نجیب سالم کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا کہ ان دونوں عظیم مہمانوں کی آمد سے جامعۃ الازہر الشریف اور ملک شام اور کویت کے جید علماء کی نمائندگی ہوئی۔ منہاج القرآن ان کا اپنا گھر اور پاکستان ان کا وطن ہے۔ جامعۃ الازہر اور منہاج القرآن کے درمیان بہت سی قدریں مشترک ہیں اور ان میں سے سب سے بلند مشترک قدر ان دونوں میں اعتدال اور توازن کا ہونا ہے۔

اس موقع پر شیخ الاسلام نے اسلامی جمہوریہ ایران کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ منہاج القرآن کی دعوت پر انھوں نے اپنے ملک کے عظیم قراء جن کا فن قرأت اور قرآن کی خدمت میں کوئی ثانی نہیں، انھیں اس عالمی میلاد کانفرنس میں شرکت کے لئے بھیجا۔ میں ان سب کو صمیمِ قلب سے خوش آمدید کہتا ہوں اور نہایت ہی خوبصورت انداز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے تمام قراء، ان کے والدین اساتذہ ، شیوخ اور اسلامی جمہوریہ ایران کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ قراءت قرآن کے فن کو فروغ دینے کی صورت میں عظیم خدمتِ قرآن سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کی آمد نے میرا ہی نہیں سب کا دل خوش کر دیا ہے۔ پاکستان اور بطور خاص منہاج القرآن آپ کا اپنا گھر ہے۔ آپ کو ہر سال اس عالمی محفل میلاد کا حصہ بننے کی دعوت ہے۔ ہم اس پروگرام میں آپ کے ہر سال منتظر ہوں گے۔ جس طرح ہر سال جامعۃ الازہر کے اکابر اس عالمی محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں اور منہاج القرآن ہمارے نزدیک مصر کی جامعۃ الازہر کا مسکن ثانی ہے، اسی طرح اگر آپ بھی اس محفل میں ہر سال شرکت کیا کریں تو ہمیں خوشی ہوگی۔ آپ کے ہر سال آنے سے اہل پاکستان کے دلوں میں قرآن مجید کے ساتھ محبت قائم ہوگی۔ قرأت قرآن اور تلاوت قرآن کی محبت کے جو چشمے سوکھ گئے اور خشک ہو گئے ہیں، آپ کے ہر سال مسلسل آنے سے یہ چشمے پھر سے بحال ہو جائیں

گے اور یہاں کے لوگوں کی قرآن سننے، سمجھنے، سینوں میں بسانے اور اسے اپنی زندگی بنانے کے لیے رغبت اور محبت قائم ہو جائے گی۔

☆ جملہ مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد شیخ الاسلام نے آپ ﷺ کے حلم اور بردباری کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس خطاب کا خلاصہ نذرِ قارئین ہے:

حلم کا لغوی معنی جلد بازی کو ترک کر دینا اور عجلت پسندی کو چھوڑ دینا ہے۔ اہل لغت کے ہاں حلم کا لفظ غصہ اور غضب کے برعکس معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی اگر علم ہے تو غصہ نہیں ہوگا اور اگر غصہ ہے تو علم نہیں ہوگا۔ ائمہ لغت نے حلم کو عقلمندی کے معنی میں بھی بیان کیا ہے۔ یہ بے وقوفی کے برعکس ہے۔ حلم اللہ رب العزت کی صفات میں سے ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے خصال میں سے ہے۔ حلم کا ایک معنی کمالِ صبر بھی ہے۔ جب صبر اپنے آخری نقطہ کمال تک پہنچے کہ اس میں غصہ اور غضب کے پائے جانے کی مجال ہی نہ ہو، اس کیفیت کو حلم اور بردباری کہتے ہیں۔ اس کے معنی میں یہ بھی ہے کہ کوئی غلطی کی بناء پر مستحقِ سزا ہو مگر اس کی سزا کو مؤخر کر دیا، تو یہ حلم اور بردباری ہے۔

جب ایسے عوامل اور اسباب پیدا ہوں جن میں انسان کو غصہ آتا ہے اور جہاں اس کی قوتِ غضب متحرک ہو جاتی ہے، اس وقت ان عوامل کے ہوتے ہوئے طبیعت میں غصے کو متحرک نہ ہونے دینا بلکہ طبیعت میں اتنی ٹھنڈک، ضبط اور قابو آجائے کہ بندہ غصے کے اسباب کے باوجود غصہ طبیعت میں داخل نہیں ہونے دیتا تو اس کیفیت کو حلم کہتے ہیں۔ حلم کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی زیادتی کرنے والے سے انتقام لینے کی قوت واستطاعت ہو مگر اس کی برداشت اتنی ہو کہ انتقام نہ لے۔ قدرت رکھتے ہوئے انتقام نہ لینا، اگر طبیعت اور مزاج میں یہ کیفیت مستقل پیدا ہو جائے اس کو حلم کہتے ہیں۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ غضب، ناراضگی اور غصے کی کے وقت بھی دل کا مطمئن رہنا، یعنی اس کی طبیعت متزلزل نہ ہو اور وہ عجلت میں کوئی ایسی بات نہ کہے، کام نہ کرے اور انتقام نہ لے۔ اگر طبیعت میں اتنی پختگی آجائے تو اس کیفیت کو حلم کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں متقین کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (آل عمران، ۳: ۱۳۴)

”اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں متقین کا پہلا درجہ یہ بیان کیا ہے کہ وہ غصے کو پی جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غصہ آتا ہے تبھی تو اس کو ضبط کرتے ہیں اور پی جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا درجہ ہے جس میں غصہ دلانے کے عوامل و محرکات اور ماحول و اسباب موجود ہیں مگر قبل اس کے کہ اس غصے کا اظہار ہو، وہ زبان سے یا فعل اور عمل سے اس کو پی جاتے ہیں اور ضبط کر لیتے ہیں۔ گویا طبیعت میں غصہ آتا ہے مگر اپنی طبیعت اس نہج پہ کر رکھی ہے اور محنت اور مشقت ایسی کر رکھی ہے کہ اس غصے کو ضبط کر لیتے ہیں۔

۲۔ اس کے بعد اس سے اوپر کا درجہ بیان کیا کہ غصے کو ضبط کر لینا ہی آخری کمال نہیں۔ غصہ ضبط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ غصے کا اظہار نہ کریں، کوئی سخت تلخ بات نہ کریں، اپنے کسی فعل اور عمل سے غصہ ظاہر نہ کریں اور انتقام نہ لیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ ہیجان اندر تھا جسے ضبط کر لیا۔ مگر اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس نے غصہ دلایا، اذیت اور تکلیف دی اسے معاف کر دیا۔ اب اس معافی کا مطلب ہے کہ اس غصہ کے اثرات بھی مٹ گئے ہیں۔ اب طبیعت میں وہ ہیجان اور اضطراب نہیں رہتا کہ غصہ جگہ پا سکے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس نے زیادتی کی اس کو معاف بھی کر دیا۔ پس وہ لوگ جو غصہ پی جاتے ہیں، یہ ایک درجہ ہے مگر ان سے زیادہ باکمال وہ لوگ ہیں جو معاف بھی کر دیتے ہیں۔

حلم کا یہ درجہ مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہوتا ہے مگر بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اگر پیدا ہی نفس مطمئنہ پر کیا ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو پیدائشی طور پر ایسا بنا دیتا ہے۔ مگر جو حلیم الطبع پیدا نہیں ہوا تو پھر وہ مشقت، تربیت، محنت اور ریاضت سے رفتہ رفتہ غصے کو دباتا ہے اور غصہ پیتے پیتے طبیعت کو عادی بنا دیتا ہے۔ گویا حلم قوت غضب کو توڑ دیتا ہے۔

عالمی میلاد کانفرنس کے موقع پر اس موضوع کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے چاہا کہ اس اجتماع کے لیے سیرت نبوی کا ایک ایسا موضوع منتخب کروں جو ہماری زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دے۔ اس لئے کہ اگر حلم نہ ہو تو علم بے وقار ہو جاتا ہے۔ اگر حلم نہ ہو تو عمل بے وقار ہو جاتا ہے۔ اگر حلم یعنی بردباری نہ ہو تو پوری زندگی اور سیرت بے وقار ہو جاتی ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کسی کے پاس علم ہو مگر عقل نہ ہو یا کم عقل

ہو۔کم عقل بندے کے پاس اگر علم ہو تو وہ علم فائدہ مند نہیں رہتا،اس لئے کہ اس میں علم کی صحیح جہت کو سمجھنے کی صلاحیت ہے اور نہ علم کو صحیح پہنچانے کی صلاحیت ہے ۔کیا کہنا ہے، کب کہنا ہے اور کس کو کہنا ہے؟اسے اس بات کا ادراک ہی نہیں، کیونکہ اس کے پاس عقل نہیں ہے۔اس کے پاس علم ایک آلہ کے طور پر موجود تو ضرور ہے مگر اسی طرح موجود ہے جیسے ایک نابینا شخص ہے مگر سورج کی روشنی اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس بینائی نہیں ہے۔

اسی طرح کسی کی طبیعت میں حلم اور بردباری نہیں ہے تو وہ ہر روز فتوی بازی کرے گا ،لوگوں کو کافر بنائے گا،کسی کو مشرک ، کسی کو بدعتی، کسی کو گمراہ ٹھہرائے گا اور کسی کو اسلام اور کسی کو اہل سنت سے خارج کرے گا۔یہ رویہ اس لئے ہے کہ اس کے علم میں حلم اور بردباری نہیں۔جب حلم اور بردباری نہیں ہوتی تو عقل کا چراغ بجھ جاتا ہے۔حلم کا نام عقل مندی بھی ہے۔حلم نہیں ہے تو گویا عقل غالب نہیں اور جہاں عقل مغلوب ہوئی وہاں جہالت نے قبضہ پا لیا۔حلم کے بغیر علم استعمال ہو تو انتہا پسندی جنم لیتی ہے اور مزاج اور رویہ میں اعتدال اور وسعت ختم ہو جاتی ہے۔آج کے دور میں سب سے زیادہ مشکل کام لوگوں کو دین کی طرف بلانا اور انھیں راہ اعتدال پر چلانا ہے۔اول تو لوگ ہمارے رویوں کے باعث دین سے متنفر ہوگئے ہیں، ہم نے نوجوان نسلوں میں دین کی رغبت نہیں چھوڑی، ہمارے رویوں نے انہیں بیزار کر دیا اور اگر کوئی دین سے رغبت رکھنے والا ہے تو انہیں وہ لوگ دین کی اصل تعلیمات سے دور کر کے انتہا پسندی کی طرف لے آتے ہیں جو علم کا دعوی کرتے ہیں یا علم کی اشاعت کرتے ہیں مگر ان کے پاس تحمل، برداشت اور بردباری نہیں ہے اور وہ مدرسہ، مسجد اور سوشل میڈیا کے ذریعے مزاجوں اور رویوں کو وسطیت اور اعتدال کی راہ سے ہٹا رہے ہیں۔وہ لوگوں کی تذلیل کرتے ہیں اور تشدد پر اکساتے ہیں۔اس طرح دھڑے بندیاں ہوتی ہیں اور تفرقہ بازی جنم لیتی ہے۔یاد رکھیں کہ اگر اہل دین کے پاس حلم نہیں ہوگا تو علم بھی بد نام ہوگا،دین بھی بدنام ہوگا اور علماء دین بھی بدنام ہوں گے۔ افسوس کہ آج یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

وہی علم؛ علمِ لدنی بن سکتا ہے اور علم نافع بن سکتا ہے جس شخص کی طبیعت میں رحمت، شفقت، نرمی، بردباری، ٹھنڈک اور برداشت ہو گی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: علم حاصل کرو اور علم کے ساتھ سکونِ قلب اور حلم اور بردباری حاصل

کرو ۔آقا علیہ السلام نے علم کو سکینت یعنی سکونِ قلب اور بردباری کے ساتھ جوڑا ہے۔نرم روی نہیں ہوگی تو علم سانپ بن جائے گا۔۔۔آقا علیہ السلام نے ایک اور مقام پر فرمایا کہ اگر حلم سیکھو گے تو علم خیر کا باعث ہو گا اور اگر تمہاری طبیعتوں میں حلم اور بردباری نہیں ہو گی، جلد بازی ہو گی، فوری غلبہ پانے کا جذبہ ہو گا، دوسرے کو دبا دینے اور اس پر چھا جانے کا جذبہ ہو گا تو تم عالم نہیں رہو گے بلکہ ظالم ہو جاؤ گے۔۔۔ سیدنا مولا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم روایت کرتے ہیں آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ مسلمان شخص اگر حلم سیکھ لے اور بردباری اپنے اندر پیدا کر لے تو اس کا درجہ یہ ہو جائے گا جیسے اس نے ساری زندگی راتوں کو قیام کیا اور دن کو روزے رکھے۔۔۔سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں اے انسان خیر یہ نہیں ہے کہ تیری زندگی میں مال ، اولاد ، طاقت، جاہ و حشم، قوت و سلطنت اور سامانِ دنیا بڑھ جائے بلکہ خیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے علم کی بہت دولت عطا کر دے اور تمہارے علم کو حلم سے مزین کر دے۔

تحمل و بردباری اور برداشت کے تناظر میں ہمیں سوچنا ہو گا کہ اہلِ دین ، علمائے دین، دین کے مبلغین، منبر و و محراب کے وارثین کہاں کھڑے ہیں؟ کیا ہمارے ہاں سے حلم اور بردباری کی بات ہوتی ہے؟ ہم تو بغیر تحقیق دوسرے پہ چڑھ دوڑتے ہیں، فتوی لگاتے ہیں اور ایک ہنگامہ پیدا کر دیتے ہیں۔ نتیجتا دین اور مذہب ہنگامہ خیزی کا نام بن کے رہ گیا ہے ۔آج تو صورت حال یہاں تک آپہنچی کہ دین کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو للکارتے ہیں ،ایک دوسرے کی برائی کرتے ہیں، ایک دوسرے کو گمراہ ٹھہراتے ہیں اور برے القاب سے یاد کرتے ہیں ۔اب تو دین پھیلانے والے لوگ نوجوان نسل کے لیے انٹرٹینمنٹ آئٹم بن گئے ہیں۔لوگ یوٹیوب پر انہیں انٹرٹینمنٹ کے لیے سنتے ہیں اور ان سے بے عقلی کی باتیں سن کر ہنستے ہیں۔نوجوان نسل دین کے ان نام نہاد نمائندوں کا رویہ دیکھ کر دین سے متنفر ہوتے ہیں۔یاد رکھیں کہ یہ ایک بین الاقوامی ایجنڈا ہے،اس ایجنڈے پر لوگوں کو دانستہ یا نادانستہ لگایا گیا ہے کہ دین اور مذہب کے نام پر ایسے رویے پیش کرو، ایسے non issues کو issues بناؤ اور ایک دوسرے کے خلاف اس طرح بولو اور بھڑکو کہ تمہارے رویے سے لوگ دین سے بیزار ہو جائیں۔ اس لئے کہ لوگ دین کے علمبرداران لوگوں کے رویہ کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دین کی تعلیم ہے۔میں ان تمام لوگوں سے جو رہبری کا منصب ادا کر رہے ہیں، درخواست کر رہا

ہوں کہ خدارا اپنے رویوں اور مزاجوں میں تحمل و بردباری پیدا کریں اور دانستہ یا نادانستہ اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیل کر اپنے دین اور ایمان کا سودا نہ کریں اور نہ ہی اپنے ان رویوں سے نوجوان نسل کو دینِ اسلام کی تعلیمات سے بیزار کریں۔

عالمی میلاد کانفرنس کے موقع پر شائع ہونے والی نئی کتب

محترم ڈاکٹر محمد فاروق رانا (ڈائریکٹر فرید ملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ) نے 41 عظیم الشان عالمی میلاد کانفرنس کے موقع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور محترم پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی درج ذیل 12 نئی کتب کا تعارف پیش کیا:

۱۔ تصوف کا لغوی اشتقاق اور معنوی استحقاق (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

۲۔ وراثت اور وصیت کے احکام و مسائل (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

۳۔ فن نعت نگاری (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

۴۔ EXPOSING YAZID: A Theological and Historical Examination of his Disbelief (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

۵۔ فہم القرآن (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

۶۔ Quran on Management (ڈاکٹر حسن محی الدین قادری)

۷۔ آداب اختلاف (ڈاکٹر حسن محی الدین قادری)

۸۔ رفیق اور رفاقت (ڈاکٹر حسن محی الدین قادری)

۵۔ PHILOSPHY OF ALTRUISM & MINHAJ UL QURAN INTERNATIONAL (ڈاکٹر حسن محی الدین قادری)

۱۰۔ سبل العشاق (پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری)

۱۱۔ کرپٹو کرنسی: علمی اور شرعی محاکمہ (پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری)

۱۲۔ Beyond the IMF (پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری)

شیخ الاسلام کا دورہ یورپ و جنوب مشرقی ایشیا

ساؤتھ کوریا اور جاپان کے تاریخی دورہ جات

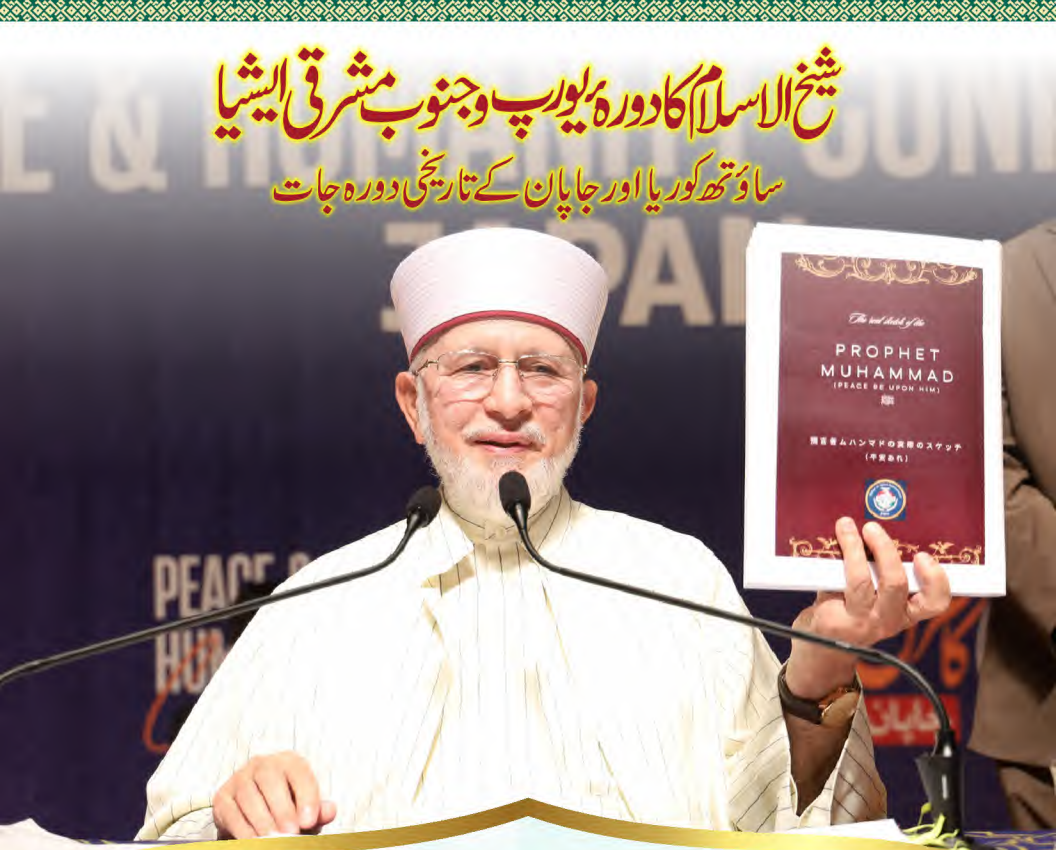

خصوصی رپورٹ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری برطانیہ، ناروے، فرانس، آسٹریلیا، ملائیشیا اور ہانگ کانگ کے انتہائی کامیاب تعلیمی، تربیتی، روحانی اور تنظیمی بین الاقوامی دورے کے بعد ساؤتھ کوریا اور جاپان تشریف لے گئے۔ اس دورہ میں آپ کے ہمراہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی اور شیخ احمد مصطفی العربی بھی موجود تھے۔ ساؤتھ کوریا اور جاپان میں بھی آپ نے حسبِ سابق مختلف کانفرنسز، ورکرز کنونشنز اور کئی دیگر پروگرامز میں شرکت کی اور خطابات فرمائے۔ ساؤتھ کوریا اور جاپان کے اس دورہ کی اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

ا۔ ساؤتھ کوریا

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اپنے تین ماہ پر محیط طویل دعوتی و تربیتی دورہ کے آخری مرحلہ میں ساؤتھ کوریا تشریف لائے۔ اس دورہ کے دوران منہاج القرآن انٹرنیشنل ساؤتھ کوریا کے زیرِ اہتمام کنٹیکس ہال میں پہلی بین الاقوامی سیرت النبی ﷺ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں پاکستان،

کوریا، چین، تائیوان، ازبکستان، سری لنکا، ترکی، ملائیشیا، انڈونیشیا، یمن، ایران، بنگلہ دیش، لیبیا، لبنان سے وفود اور مختلف مذہبی تحاریک کے نمائندگان شریک ہوئے۔ کانفرنس میں ساؤتھ کوریا میں ایران کے سفیر سعید کوزچی نے خصوصی شرکت کی اور منہاج القرآن کی بین الاقوامی خدمات کو سراہا۔ کانفرنس میں ساؤتھ کوریا کی معروف یونیورسٹیز کے بین المذاہب تقابل کے محققین نے بھی شرکت کی۔

شیخ الاسلام نے اس کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ پیغمبر انسانیت ہیں۔ آپ ﷺ دنیا بھر کے انسانوں کے لئے رول ماڈل ہیں۔ آپ ﷺ نے انسانیت کو آئین سازی، مساواتِ انسانی، عدل وانصاف، خواتین کے عزت واحترام، انسانوں کے حقوق وفرائض، قانون کی حکمرانی، بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری، انسانی جان کی حفاظت و حرمت، امن عامہ اور متوازن سوسائٹی کی تعمیر و تشکیل کے راہ نما اصول دیئے۔ مسلمان امن اور محبت کا داعی ہے کیونکہ وہ اپنی آخرت کی اچھی زندگی کے لئے اس دنیا میں اچھے اعمال بجالاتا ہے۔ آخرت کی زندگی سنوارنے کے لئے کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ رزق حلال کے ذرائع اختیار کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی آئندہ نسلوں کے ایمان و کردار اور انہیں اچھا انسان بنانے کے لئے تعلیم دیتا ہے۔ یہی اجزاء ایک پرامن اور خوشحال سوسائٹی کے خدوخال نکھارتے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور انسانیت کی فلاح کے لئے آپ ﷺ کے عملی اقدامات دنیا بھر کے مسلمانوں اور انسانوں کے لئے اتحاد واتفاق کا مضبوط جواز ہیں۔ منہاج القرآن اتحادِ اُمت کی داعی بین الاقوامی تحریک ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں حقیقی معنی میں دین اسلام کی روشنی کو دنیا بھر میں پھیلانے میں مصروفِ عمل ہے۔

شرکائے کانفرنس نے آپ ﷺ کی انسانیت دوست تعلیمات کے موضوع پر کانفرنس منعقد کرنے پر اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو اکٹھا کرنے پر شیخ الاسلام اور منہاج القرآن کی کاوشوں کو سراہا۔ کانفرنس میں صدر منہاج ایشین کونسل میاں علی عمران اور MAC کے جملہ عہدیداران اور منہاج القرآن انٹرنیشنل ساؤتھ کوریا کے عہدیداران اور کارکنان نے محمد جمیل چوہدری اور شہزاد بھٹی اور دیگر قائدین کی قیادت میں کانفرنس میں شرکت کی۔

☆ منہاج القرآن انٹرنیشنل ساؤتھ کوریا کے زیراہتمام ورکرز کنونشن منعقد ہوا جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور دیگر مہمانانِ گرامی نے خصوصی شرکت کی۔ اس موقع پر شیخ الاسلام نے تنظیمی امور میں نمایاں کارکردگی کے اعتراف میں عہدیداروں اور کارکنوں میں شیلڈز اور اسناد تقسیم کیں۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے پاکستانی کمیونٹی کوریا کی جانب سے ہیملٹن ہوٹل سیول، جنوبی کوریا میں منعقدہ تقریب میں شرکت کی۔ ان کے ہمراہ چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن

محی الدین قادری؛ صدر MQI پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری؛ شیخ حماد مصطفی المدنی القادری اور شیخ احمد مصطفی العربی القادری بھی موجود تھے۔

تقریب سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جس طرح آپ کسی بھی دنیاوی موضوع کے ماہرین اور پیشہ ور افراد سے علم حاصل کرتے ہیں، اسی طرح آپ کو مستند علماء اور روحانی رہنماؤں سے دینی تعلیم بھی حاصل کرنی چاہیے۔ سوشل میڈیا پر بہت سے ایسے نااہل لوگ ہیں، جو بغیر کسی مناسب دینی تعلیم کے صرف بات کرنے کی صلاحیت رکھنے کے سبب مذہب کا پرچار کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اپنے آپ کو، اپنے ایمان کو اور آنے والی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کریں۔

تقریب کے اختتام پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو پاکستانی کمیونٹی کے سرپرست اعلیٰ عبدالجبار خان، چیئرمین نزاکت مرزا اور وائس چیئرمین راشد گجر نے یادگاری شیلڈ پیش کی۔ اس اجلاس میں بھی منہاج ایشین کونسل اور ساؤتھ کوریا کی اعلیٰ قیادت نے خصوصی شرکت کی۔

۲۔ جاپان

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ساؤتھ کوریا کے کامیاب دورہ کے بعد جاپان تشریف لائے۔ جہاں آپ نے سیرت النبی ﷺ کانفرنس، ورکرز کنونشنز اور پاکستانی کمیونٹی کے ساتھ منعقدہ اجلاس میں خصوصی شرکت کی۔ جاپان کے اس دعوتی و تربیتی دورہ کے دوران شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے جاپان (گنما) میں سیرت النبی ﷺ کانفرنس میں خصوصی شرکت کی۔

اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے قبل صادق و امین کی شہرت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی امانت و صداقت کے اپنے اور پرائے سبھی معترف تھے۔ آپ ﷺ نے قتل و غارت میں گھرے ہوئے عرب معاشرے کو

اخلاقیات کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے فیضان سے ایک دوسرے کی ناحق جان لینے والے جانیں بچانے والے بن گئے۔ سیرت طیبہ ﷺ پر عمل دونوں جہانوں کی کامیابی کی کنجی ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے نوجوانوں کو نصیحت کی کہ اسلامی بود و باش اختیار کریں، اپنا وقت علم و ہنر سیکھنے میں صرف کریں، تمام تر مصروفیات کے باوجود مطالعہ کو عادت بنائیں، جملہ دینی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ آپ کے چہرے اور آپ کے اعمال مصطفوی سیرت کا پرتو ہونے چاہئیں۔ اپنی زبان اور ظاہر و باطن کو اجلا کریں جب سوچ صاف اور پاکیزہ ہوتی ہے تو آنکھیں روشن اور چہرہ پر نور ہو جاتا ہے۔ بالخصوص نوجوان پاکیزگی کی راہ اختیار کریں اور ہمیشہ نیک عمل کریں۔

سیرت النبی ﷺ کانفرنس میں منہاج ایشین کونسل کے جملہ عہدیداران نے صدر MAC میاں علی عمران کی سربراہی میں شرکت کی۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل جاپان کے جملہ عہدیداران اور رفقا و کارکنان نے صدر ملک ممتاز اور امیر علامہ رانا نفیس حسین قادری کی سربراہی میں خصوصی شرکت کی۔ جاپان کے دور دراز شہروں میں آباد پاکستانی شہریوں سمیت دیگر مسلمان ممالک کے شہریوں نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی۔

سیرت النبی ﷺ کانفرنس کے شرکاء نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الاسلام کا ایمان افروز خطاب ہمارے لئے ریفریشر کورس ثابت ہوا ہے ہم مدتوں اس پر تاثیر خطاب کی حلاوت کو محسوس کرتے رہیں گے اور کوشش کرتے رہیں گے کہ اپنی زندگیوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق بسر کریں۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے گنما، جاپان میں منہاج القرآن کے نئے اسلامک سنٹر کا افتتاح کیا اور وہاں منعقدہ ورکرز کنونشن میں خصوصی شرکت کی۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفی المدنی، شیخ احمد مصطفی العربی القادری بھی اس افتتاحی تقریب کے موقع پر موجود تھے۔

اسلامک سینٹر کی افتتاحی تقریب اور ورکرز کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دوسروں کو اسلام کی دعوت دینے کی اہمیت پر تفصیلی گفتگو کی کہ جب آپ کسی کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو آپ ان کے سامنے عقیدہ کے نمائندے کے طور پر کھڑے ہوتے ہیں اور وہ آپ کے کردار، اخلاق اور طرزِ عمل سے اسلام کی سچائی کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اس لیے اپنے اخلاق، اعمال اور طرز عمل کو بہتر بنائیں، تاکہ اسلام کا امن اور رحمت کا پیغام بہت سے دلوں تک پہنچ سکے۔

اس موقع پر منہاج ایشین کونسل اور منہاج القرآن انٹرنیشنل جاپان کے عہدیداران اور کارکنان

نے بھی خصوصی شرکت کی۔

☆ پاکستان بزنس ایسوسی ایشن جاپان کے زیر اہتمام منعقدہ عشائیہ میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور دیگر مہمانانِ گرامی نے خصوصی شرکت کی۔ عشائیہ کی میزبانی پاکستان بزنس ایسوسی ایشن جاپان کے صدر عبدالرحیم آرائیں نے کی۔ اس پروگرام میں جاپان بھر سے معروف کاروباری شخصیات، کمیونٹی لیڈرز اور ائمہ کرام نے شرکت کی۔

۳۔ امریکہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایشین ممالک کے کامیاب دورہ کے بعد امریکہ تشریف لے گئے۔ اس موقع پر جامع حسن البصری اور منہاج القرآن کمیونٹی سنٹر ڈیلاس (امریکہ) میں ایک پروقار تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ڈیلاس اور امریکہ کے دور دراز سے تشریف لائے ہوئے رفقاء و کارکنان اور ڈیلاس کے جملہ طبقات کی نمایاں شخصیات نے خصوصی شرکت کی۔ یہ تقریب شیخ الاسلام کے ساتھ سوال و جواب کے سیشن کی شکل اختیار کر گئی جس میں شرکاء نے شیخ الاسلام سے روحانی اور معاشرتی اہمیت کے سوالات پوچھے جن کا شیخ الاسلام نے جواب دیا۔ اس موقع پر مختلف سوالات کے جوابات کے تناظر میں شیخ الاسلام نے امتِ مسلمہ اور عالمی حالات، خوابوں کی تعبیر، آنے والی نسلوں کی صحیح پرورش، خارجیت اور ناصبیت کی وضاحت اور رؤیت ہلال جیسے کئی اہم امور کے متعلق رہنمائی فرمائی۔

اس تقریب میں جنرل سیکرٹری MQI امریکہ ڈاکٹر منصور میاں، منہاج ایشین کونسل کے صدر میاں عمران علی، پروفیسرز، ڈاکٹرز، مختلف اسلامی فرقوں کے اسکالرز، سیاسی و سماجی شخصیات، صحافی، وکلاء اور دیگر معزز مہمانان سمیت قابل ذکر شخصیات نے شرکت کی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ ساؤتھ کوریا

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ جاپان

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ امریکہ

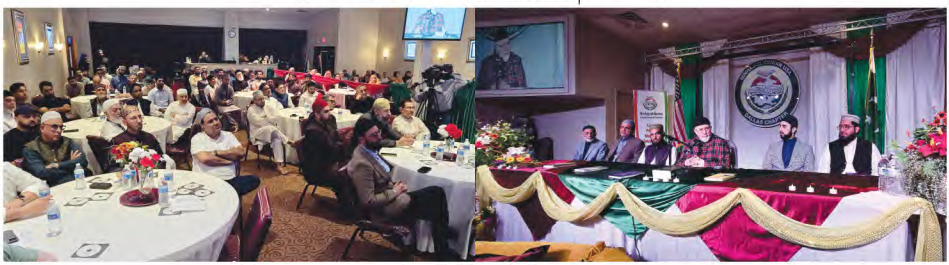

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
OCT-2024
Regd CPL No.41

ADMISSIONS FALL 24

Minhaj University Lahore

Ph.D. | M.Phil | BS | BS (5th SEMESTER) | ADP

IN THE FACULTIES OF

- ALLIED HEALTH SCIENCES
- APPLIED SCIENCES
- BASIC SCIENCES & MATHEMATICS
- COMPUTER SCIENCE, INFORMATION TECHNOLOGY & SOFTWARE ENGINEERING
- ECONOMICS & MANAGEMENT SCIENCES
- ENGINEERING AND TECHNOLOGY
- LANGUAGES
- LAW
- SOCIAL SCIENCES & HUMANITIES

Apply Now

03 111 222 685, 042 35145629 www.admission.mul.edu.pk
Minhaj University Lahore, Madar-e-Millat Road,
Near Hamdard Chowk, Township Lahore